ظلم ودہشت کے ماحول میں

کردارِ صحابہ کی معنویت

مولانا ارشد جمال

اَلاِسُلامُ مِشَنُ

بنارس، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

’’اسلام‘‘ کو دہشت گردی کی تاریخ سے جوڑنا، دشمنوں اور مخالفوں کا ایک پرانا طریقہ رہا ہے، لیکن اِدھر چند دَہائیوں سے یہ ذہن اتنا عام کر دیا گیا ہے کہ چھوٹے بڑے، مرد، عورت سب یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام دہشت گردی کا مذہب ہے۔ مسلمان دہشت گرد ہوتے ہیں اور اسلام دہشت گردی سے پھیلا ہے۔ اِسی وجہ سے وہ جہاد کو ’’اسلامی دہشت گردی‘‘ (islamic terrorism) کا نام دیتے ہیں۔ یہ غلط پروپیگنڈہ اتنا زیادہ مشہور ہوا کہ لوگ چلتے پھرتے مسلمانوں کو اِسی زاویے سے دیکھنے اور سوچنے لگے۔ مجھے اپنی زندگی میں اِس طرح کئی تجربے ہوئے:-

پہلا تجربہ

یہ اُس زمانے کی بات ہے جب امریکہ نے (October 7, 2001) میں طالبان کی پرتشدد کارروائیوں کے خلاف افغانستان میں جارحانہ جنگ چھیڑ رکھی تھی۔ میں ایک دن اپنے ایک عزیز کی دکان (بنارس) پر بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں گلی سے گزرتے ہوئے ایک مسلم مرد اور ایک غیر مسلم عورت کے درمیان کچھ اَن بن ہوگئی، جیسا کہ اکثر راہگیروں کے درمیان ہو جایا کرتی ہے۔ معاملہ زور پکڑ گیا۔ مسلمان مرد بھی نازیبا بولی بول رہا تھا اور غیر مسلم عورت بھی، لیکن وہ عورت اُس مسلمان کو بار بار ’’آتنکی‘‘ اور ’’آتنک وادی‘‘ (terrorist) بھی کہے جا رہی تھی۔ میں اِس جھگڑے کو دیکھ کر سوچ میں پڑ گیا کہ لوگ جب آپس میں جھگڑتے ہیں تو ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں اور گالیاں بکتے ہیں۔ گالیوں میں، جھگڑنے والا جن باتوں کو لاتا ہے، وہ کوئی مبہم، مجہول اور غیر معروف بات نہیں ہوتی۔ گویا اُس عورت کے نزدیک کسی مسلمان کا آتنک وادی ہونا اتنا واضح، مشہور اور ثابت تھا کہ بے تکلف اُس نے گالیوں میں اُسے استعمال کر ڈالا۔

اِس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کتنے مضبوط طریقے سے اور کتنے بڑے پیمانے پر کیا گیا ہے کہ جس سے عورتوں تک کا ذہن بدل چکا ہے۔

•••

میں ستمبر 2009 میں دہلی کے سفر سے واپس آ رہا تھا۔ ایک غلطی سے مجھے اسٹیشن پہنچنے میں تاخیر ہو رہی تھی۔ میں تیز قدموں زینے سے اُتر رہا تھا کہ مجھے اپنی ٹرین (kaifiyat) پلیٹ فارم سے رینگتی ہوئی نظر آئی۔ میں دوڑتا ہوا آگے بڑھا، جو ڈبہ (coach) میرے سامنے سے گزر رہا تھا، میں اُسی میں داخل ہو گیا۔ دوڑنے کی وجہ سے مجھے ہانپ آ گئی تھی اور میرا چہرا پسینے سے بھیگا جا رہا تھا۔ اِس طرح میرا حلیہ ایک گھبرائے ہوئے، بے چین آدمی جیسا نظر آ رہا تھا۔ میں ستانے کے لئے ایک برتھ پر بیٹھ گیا۔ میرے سامنے تین چار لوگ خوش گپّیوں میں مصروف تھے۔ مجھے دیکھتے ہی اُن کے چہرے پر پریشانی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اُنھوں نے شک کی نظر سے میرا جائزہ لیا۔ مجھے بھی اپنی برتھ پر جانے کی تشویش تھی۔ میں ایک منٹ بھی بیٹھنے نہ پایا ہوں گا کہ اُٹھ کھڑا ہوا تاکہ دیکھوں کہ بوگی کو کراس کرنے والا گیٹ کھلا ہے یا نہیں؟ میں نے اپنا بھاری بھرکم بیگ وہیں چھوڑا اور آگے بڑھا، مگر گیٹ بند پا کر مایوسی ہوئی اور میں پھر اُسی برتھ پر آ کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے اُنہی لوگوں سے پوچھا: یہ ٹرین کس اسٹیشن پر رُکے گی؟

اُنھوں نے کسی اسٹیشن کا نام بتایا، پھر اُن میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا: آپ کو کہاں جانا ہے؟

میں نے کہا: مجھے اکبر پور جانا ہے۔ میری برتھ آگے ہے۔ میرے پلیٹ فارم تک پہنچتے پہنچتے ٹرین چل چکی تھی، اِس لئے میں اِسی کمپارٹمینٹ (compartment) میں چلا آیا۔

اُن میں سے ایک بولا: ادھر گیٹ سے تو آگے جا سکتے ہیں۔

میں نے کہا: گیٹ بند ہے۔

اُس نے کہا: نیچے سے اُٹھائیے کھل جائے گا۔

میں نے جا کر کوشش کی: شٹر تو کھل گیا، لیکن چینل گیٹ مجھ سے نہیں کھل پا رہا تھا۔ میں نے آ کر بتایا: نہیں کھل پا رہا ہے۔

وہ لوگ اِس قدر شک میں پڑ کر بے چین ہوئے جا رہے تھے کہ چاہتے ہی نہ تھے کہ میں وہاں تھوڑی دیر بھی رُکوں۔ چنانچہ اُن میں سے ایک آدمی اُٹھا اور آگے بڑھ کر خود ہی چینل گیٹ کھولنے لگا۔ تھوڑی کوشش کے بعد گیٹ کھل گیا۔ میں جب اپنا بیگ اٹھا کر جانے لگا تو شاید اُنھیں کچھ اطمینان سا ہوا۔ وہ بولے: کیا کریں بھائی صاحب! زمانہ بڑا خراب ہے۔

میں اُن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

آپ شاید سمجھ رہے ہوں گے کہ مجھے دیکھ کر اُن کے گھبرانے کی کیا وجہ ہوسکتی تھی؟

وہ مجھ پر دہشت گرد ہونے کا ایک حد تک شبہ کر رہے تھے۔ میرے بیگ میں اُنھیں بم بارود چھپا ہوا لگ رہا تھا۔ میرے پریشان ہونے پر وہ یہ فیصلہ کر رہے تھے کہ میں اُس بیگ میں بم بارود چھوڑ کر فرار ہونے کا راستہ ڈھونڈ رہا ہوں۔ یہ ایک مسلمان کے حق میں کیسا مکروہ خیال تھا! کتنی گندی تصویر بنا رکھی تھی اُنھوں نے مسلمانوں کی!

آج بھی جب اُس واقعہ کو سوچتا ہوں تو میں شرمسار بھی ہو جاتا ہوں اور دُکھی بھی۔

•••

جون 2009 کی تاریخوں میں ماؤوادِیوں نے بڑا اُودَھم مچایا۔ مغربی بنگال کے پاس مَدنا پور ضلع میں باقاعدہ اُنھوں نے اپنا زور قائم کرلیا اور حکومت کے کام کاج پر قبضہ جمالیا۔ ہندوستان ٹائمز (10 جون 2009) میں سب سے پہلی خبر اِسی سے متعلق چھپی تھی۔ اُس کی سرخی (headline) تھی:

Well come to india's first maoist state

(ہندوستان کی پہلی ماؤوادی ریاست کا استقبال)

ہندوستان ٹائمز (11 جون 2009) کے ایک صحافی نے گھنے جنگل کے اندر ماؤوادیوں کے سکینڈ اِن کمانڈ کشن جی سے ایک انٹرویو لیا۔ اُس نے اپنے انٹرویو میں ایک بات یہ بھی کہی:

We support Islamic terrorism

(ہم اسلامی دہشت گردی کی حمایت کرتے ہیں۔)

ماؤوادی، حکومت کا ایک باغی گروہ ہے جو قوت کے بل پر ملک میں دہشت گردی کے واقعات پیدا کرتا ہے۔ اِس نے دیکھا کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں، ٹھیک یہی سب مسلمانوں کا ایک گروہ بھی کر رہا ہے۔ ہندوستان میں بھی اور ہندوستان کے باہر بھی۔

مسلمانوں کے اُس دہشت گرد گروہ کی کارروائیوں کو دیکھ کر کشن جی کو یہ کہنا چاہئے تھا:

We support Terrorism in India

مگر اُس نے مخالفوں کے پھیلائے ہوئے غلط پروپیگنڈے کے اثر سے یہ سمجھ لیا کہ چند سر پھرے مسلم

نوجوان جو کچھ کر رہے ہیں، وہ اسلامی کاروائی ہے اور وہی اسلام کا نظریہ ہے۔

اِس پروپیگنڈے میں کتنا زور ہے کہ گھنے جنگل میں بھی یہی آواز گونج رہی ہے۔

اِس صورتِ حال کو دیکھ کر میرے اندر یہ احساس پیدا ہوا کہ جس طرح مخالفین نے اسلام کے خلاف اِس جھوٹ کو اِس قدر پھیلایا کہ دنیا اُسے سچ سمجھنے لگی؛ اُسی طرح اسلام کا کلمہ بلند کرنے والوں کو چاہیئے کہ اِس سچ کو اتنا زیادہ عام کریں کہ بچہ بچہ اس عظیم سچائی کو پالے۔ ہر چھوٹے بڑے، مرد، عورت کا ذہن صاف ہوجائے اور وہ یہ ماننے پر مجبور ہوجائیں کہ اسلام کی تاریخ میں دہشت گردی نام کی کوئی چیز ہی نہیں، بلکہ یہ مزاج اتنا پختہ ہوجائے کہ مخالفین یہ بولنے لگیں کہ اسلام تو امن وامان کا مذہب (religion of peace and security) ہے۔

اِس کے لئے اِس عنوان کے تمام گوشوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اُن تمام گوشوں پر اتنا زیادہ لکھا پڑھا اور بولا جائے کہ محنت نتیجہ خیز ثابت ہو۔ اِسی احساس کے ساتھ میں نے اِس عنوان کے کئی گوشوں پر کام کیا۔ اِس سلسلے میں میری پہلی کتاب تھی ''اسلام کیسے پھیلا؟''۔ اُس کے بعد ''خاموش انقلاب''۔ اُس کے بعد ایک کتاب ''جنگ اور جہاد'' کے نام سے ہے، پھر یہ کتاب ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔

میں نے اپنی اِس کتاب میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ایسے عظیم صحابیوں کا ذکر کیا ہے جو مشرکین مکہ کے درمیان بے کسی اور حیرانی کی زندگی گذار رہے تھے۔ اِس کے باوجود وہ اپنے پیغمبر کی تحریک سے جُڑے رہے۔ اُن کی اِس زندگی نے تاریخ کا دوہرا ریکارڈ قائم کیا۔ ایک طرف تو اُنھوں نے یہ واضح کیا کہ مشرکینِ مکہ دہشت گرد تھے اور اِس طرح کی کاروائیاں کرنے والے ہر دور میں دہشت گرد ہوں گے۔ دوسری طرف دہشت گردانہ ماحول میں، بالکل یکطرفہ طور پر اُن کا صبر وضبط کرنا، کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ اسلامی تحریک کو باقی رکھنے اور اُس کے دائرے کو وسیع کرنے کے لئے تھا، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

مجھے اِس کتاب میں اُن عظیم صحابیوں کی زندگی کے خاص خاص واقعات دکھانا مقصود نہیں، بلکہ اُن واقعات کے اندر جو تازہ دَرس چھپا ہوا ہے، اُسے باہر لانا ہے اور مخالفین نے جو اسلام کے سر دہشت گردی کا الزام تھوپا ہے، اُنھیں آئینہ دکھانا ہے۔

اسلامی تحریک کا آغاز

610ء میں جب پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کی ذمہ داری سونپی گئی تو آپ پہلے پہل خاموشی کے ساتھ دین کی تبلیغ کرتے رہے اور پوشیدہ طریقے سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ دھیرے دھیرے بہت سارے لوگوں نے آپ کی آواز پر لبیک کہا اور مسلمان ہوگئے، لیکن مشرکینِ مکہ کے ڈر سے لوگ اپنا ''مسلمان ہونا'' ظاہر (open) نہیں کرتے تھے۔ پھر بھی کچھ ایسے جیالے مسلمان تھے جو اُن کی پرواکئے بغیر کھل کر (publicly) سامنے آگئے۔

پہلے پہل جن لوگوں نے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا، وہ سات لوگ تھے۔ ایک تو خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، پھر حضرت ابوبکر، حضرت عمّار بن یاسر اور اُن کی والدہ حضرت سُمیّہ، حضرت صُہیب رومی، حضرت بلال اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم۔

بعد میں کچھ اور لوگ بھی کُھلے اور خود کو مسلمان ظاہر کیا۔

مشرک سماج میں اِس طرح کھل کر سامنے آنا اور مسلمان بن کر اُن کے درمیان چلنا پھرنا، کوئی آسان کام نہیں تھا۔ یہ بہت بڑا رِسک (increacing risk) تھا۔ کیونکہ مشرکینِ مکہ لمحہ بھر کے لئے بھی اِس چیز کو برداشت کرنے والے نہیں تھے کہ کوئی اُن کے سماج میں، اُن کے سامنے، اُن کے معبودوں کے خلاف آواز اٹھائے اور بت پرستی کے مقابلے میں ایک اَن دیکھے خدا کی عبادت کی بات کرے۔ چنانچہ جس نے بھی یہ ہمت کی اُسے بہت کچھ جھیلنا پڑا۔

جب تک ابوطالب زندہ رہے، مشرکین مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہیں بگاڑ سکے، کیونکہ وہ لوگ ابوطالب سے دَب کر رہتے تھے اور ابوطالب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی و مددگار (supporter and helper) تھے۔ یوں ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی عام طور سے نہیں چھیڑ پاتے تھے، کیونکہ وہ اپنے قبیلے کے ایک عزت دار آدمی تھے اور سماج میں اُن کی اپنی ایک حیثیت (image) تھی۔ لیکن بقیہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بڑا ہی ظالمانہ سلوک کرتے تھے۔

ابوجہل جو اِن ظالموں کا لیڈر تھا۔ اُس کا کام یہ تھا کہ وہ قریشیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا۔ جب وہ سنتا کہ فلاں شخص مسلمان ہوگیا ہے تو پہلے دیکھتا کہ وہ کس حیثیت کا مالک ہے۔ اگر وہ عزت دار اور طاقتور ہوتا تو اُسے جھڑکتا اور شرمندہ کرنے کی کوشش کرتا اور اُسے وارننگ (warning)

دیتا کہ:

''تو نے اپنے باپ کے دین کو چھوڑ دیا جو تجھ سے بہتر تھا۔ہم ضرور تجھے بیوقوف قرار دیں گے، تجھ کو تیری رائے سے ہٹا دیں گے (یعنی تجھے تبدیلی مذہب کی رائے واپس لینی پڑے گی) اور تیری مٹی پلید کر کے رہیں گے''۔

اور اگر وہ تاجر ہوتا تو اُسے دَھمکی (threat) دیتا کہ:

''ہم تیرا کاروبار ٹھپ کر کے رہیں گے اور تیرا دیوالیہ نکال کر رہیں گے''۔

اور اگر وہ کمزور ہوتا، جس کا مکے میں کوئی خاندان ،رشتے دار نہ ہوتا، نہ اُس کی اپنی کوئی حیثیت ہوتی اور نہ وہ طاقت ور ہوتا، جیسے غلام اور غریب مسلمان۔ایسے مسلمانوں کو پکڑ کر وہ مارتا، اُس کے سامنے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی بکتا اور اُس کے خلاف دوسروں کو اُکساتا۔ پھر تو مشرکین ِ مکہ، اُن بے چارے غریب مسلمانوں کو طرح طرح سے سزائیں دیتے اور جتنا کچھ بَن پڑتا، تکلیف پہنچاتے۔

کبھی وہ اُن مسلمانوں کو لوہے کی قمیص پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے ، یہاں تک وہ نڈھال ہو کر گر پڑتے۔

کبھی ٹھیک دوپہر کے وقت گرم گرم ریت پر لٹا دیتے۔

کبھی اتنا مارتے کہ وہ بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو جاتے۔درد اور گہری چوٹ کی وجہ سے اُن کے اندر اتنی بھی سَکت نہ رہتی کہ سیدھے بیٹھ سکیں۔

مشرکینِ مکہ یہ ساری سزائیں اور تکلیفیں صرف اِس لئے پہنچا رہے تھے کہ وہ اپنے دین سے پھر جائیں اور لات وعزّٰی کی دوبارہ پوجا کرنے لگیں۔

مشرکینِ مکہ اُن کمزور مسلمانوں کو سزا دیتے وقت مطالبہ کرتے اور دباؤ ڈالتے کہ اپنے منہ سے کہو کہ لات وعزّٰی ہمارے معبود ہیں۔توحید کا انکار کرو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہو۔

مسلمان اپنے منہ سے ایسی باتیں نکالنے سے انکار کرتے تو اُنھیں اور مارا پیٹا جاتا، یہاں تک کہ اُن سب کی ہمت جواب دے جاتی اور درد نا قابلِ برداشت ہو جاتا تو زبان سے کہہ کر وقتی طور پر اُن کا مطالبہ پورا کر دیتے۔لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ اِس حال میں بھی اُن سے سمجھوتہ نہ کرتے ،درد

اور تکلیف سے برا حال ہوا جا رہا تھا، اُن کی جان پر بَن آئی تھی، مگر اپنی زبان سے اَحَد اَحَد ہی کہتے رہے ہشرکینِ مکہ، حضرت بلال سے شکست کھا گئے تھے۔[۱]

آج کے دور میں ''دہشت گرد کی جو اصطلاح (idiom) مسلمانوں کے لئے رائج کی گئی ہے، اصل میں سب سے پہلے وہ مسلمانوں مشرکینِ مکہ پر صادق (fit) آتی ہے۔اور مسلمانوں نے جو اُن کے مقابلے میں جو کچھ، وہ امن کا پیغام (massege of peace) تھا اور مسلمان امن کے داعی تھے۔اب اِس دنیا کے لئے وہ ایک معیار ہے۔جو مشرکینِ مکہ کا رول ادا کرے گا، وہ دہشت گرد ہوگا اور جو مسلمانوں کا کردار نبھائے گا وہ امن کا پیغامبر اور داعی کہلائے گا۔آج کا مسلمان اگر مشرکینِ مکہ کا رول ادا کرے تو وہ بھی دہشت گرد ہوگا۔مسلمان ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ مشرکینِ مکہ کا رول ادا کرنے کی وجہ سے۔اگلے صفحات میں ہم نے اُسی معیار کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

---

[۱] سنن ابن ماجہ: المقدمۃ/باب فی فضائل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/فضل سلمان وابی ذر والمقداد (150)
مسند الامام احمد: ۱/۴۴۷ (3822)
المستدرک: کتاب معرفۃ الصحابۃ/ذکر بلال بن رباح (5238)
صحیح ابن حبان: کتاب عن مناقب الصحابۃ/ذکر بلال بن رباح المؤذن رضی اللہ عنہ (7092)
الکتاب المصنّف: ۶/۳۹۹ (32323)
حلیۃ الاولیاء: ۱/۱۴۷
الطبقات الکبریٰ: ۳/۱۷۶، ۱۸۷
سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۵۵، ۳۵۶
تاریخ الیعقوبی: ۲/۲۸

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

(پیدائش:573ء/وفات:634ء)

610ء میں جب پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے اپنے گھر سے اسلام کی تبلیغ شروع کی، تو آپ کی ابتدائی کوششوں سے آپ کی بیوی حضرت خدیجہ، آپ کی سر پرستی میں رہ رہے حضرت علی اور آپ کے لے پالک بیٹے حضرت زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہم) مسلمان ہو گئے۔ اسلام کی یہ آواز جب گھر سے باہر نکلی تو پہلے پہل حضرت ابوبکر آپ سے ملے۔ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی دوست تھے۔ اِنھوں نے براہِ راست (directly) آپ سے پوچھا کہ: ''آج کل قریش قبیلے میں آپ کا بڑا چرچا ہے۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے ہیں کہ آپ نے ہمارے معبودوں کی مخالفت شروع کر دی ہے اور صرف ایک اللہ کی عبادت پر زور دے رہے ہیں۔ ہمارے باپ دادا بیوقوف تھے جو بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ آپ کے تعلق سے جو کچھ میں سن رہا ہوں، کیا صحیح ؟ ''۔

آپ نے جواب دیا: ''کیوں نہیں! میں اللہ کا رسول اور اُس کا نبی ہوں۔ مجھے اُس نے اِس لئے بھیجا ہے کہ میں رسالت کی تبلیغ کروں۔ میں تمھیں حق کے ساتھ اللہ کی دعوت دیتا ہوں۔ اللہ کی قسم! بے شک وہ حق ہے۔ اے ابوبکر! میں تمہیں ایک اللہ کی دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور کسی دوسرے کی عبادت مت کرو اور اللہ کی فرمانبرداری میں لگے رہو''۔

آپ نے قرآن کی کچھ آیتیں بھی اُنھیں پڑھ کر سنائیں۔ حضرت ابوبکر نے آپ کی تمام باتوں کو بغور سنا اور اُنھیں سنجیدگی سے لیا اور بغیر کسی تردد کے آپ کو سچا جانتے ہوئے فوری طور پر مسلمان ہو گئے۔[۲]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چھپ چھپ کر لوگوں میں تبلیغ کرتے رہے اور اُنھیں ''اسلام'' سمجھاتے رہے۔ سمجھنے والے سمجھتے گئے اور مسلمان ہوتے گئے۔ صفا پہاڑی کے قریب حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا گھر اسلامی سینٹر (Islamic center) کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں مسلمان اکٹھا ہوتے تھے، بڑی احتیاط کے ساتھ دعوت کا پروگرام بنتا تھا اور زیادہ تر لوگ یہیں آکر اسلام کا کلمہ

---

[۲] سیرۃ ابن ہشام: ۱/۴۳۳-۴۳۹
البدایۃ والنہایۃ: ۳/۴۰

پڑھتے تھے۔

یہ سارا معاملہ رازدارانہ طور پر ہوتا، کیونکہ مشرکین سے ہر آن خطرہ تھا، اُنھیں ذرا بھی سُن گُن مل جاتی تو وہ ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ جاتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت دھیرے دھیرے رنگ لا رہی تھی۔ تین سال پورے ہونے کو تھے، تقریباً 38 آدمی مسلمان ہو چکے تھے۔ اِس صورتِ حال (situation) کو دیکھ کر حضرت ابوبکر نے ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اصرار (pressure) کیا کہ ہمیں کھل کر سامنے آنا چاہئے۔ آپ نے جواب دیا: ابوبکر! ابھی ہم تعداد میں کم ہیں۔

حضرت ابوبکر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے برابر اصرار (pressure) کرتے رہے، آخر کار ایک دن آپ تیار ہو گئے، چنانچہ سارے مسلمان کعبے میں گئے اور چاروں طرف پھیل گئے۔ ہر مسلمان اپنے قبیلے میں پہنچ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں جا کر بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر کھڑے ہوئے اور تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی بات شروع کی۔ وہ ابھی ''توحید'' پر گفتگو کر ہی رہے تھے کہ اچانک مشرکین اُن پر اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ کعبے میں چاروں طرف مسلمانوں کی خوب پٹائی ہوئی۔ حضرت ابوبکر کو روند روند کر سب سے زیادہ پیٹا گیا۔ عُتْبہ بن رَبیعہ اُن کے قریب آیا اور اپنے پیوند لگے جوتوں سے چہرے پر مارنے لگا۔ مارتے مارتے دونوں جوتے ٹیڑھے ہو گئے، پھر وہ اُچھل کر اُن کے پیٹ پر کود گیا، یہاں تک کہ اُن کی شکل پہچان میں نہ آتی تھی۔ اتنے میں حضرت ابوبکر کے قبیلے (بنوتَیم) کے لوگ دوڑتے ہوئے آئے تو مشرکین، ابوبکر کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ بنوتَیم کے لوگوں نے اُنھیں ایک کپڑے میں اُٹھایا اور گھر پہنچا آئے۔ اُنھیں ابوبکر کی موت میں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا۔

پھر بنوتَیم کعبے میں آئے اور کہا کہ اللہ کی قسم! اگر ابوبکر کی موت ہوئی تو ہم عُتْبہ بن رَبیعہ کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔

پھر وہ سب لوٹ کر ابوبکر کے پاس آئے۔ حضرت ابوبکر کے والد ابوقحافہ اور بنوتَیم کے لوگ کوشش کر رہے تھے کہ ابوبکر کچھ بولیں۔ آخر کار شام کے وقت، حضرت ابوبکر بولے تو پوچھا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ یہ سن کر قبیلے کے لوگوں نے اُنھیں کوسا اور برا بھلا کہا، پھر چلتے چلتے اُن کی ماں اُمّ الْخَیر سے کہا: دیکھئے! اُنھیں کھلائیے پلائیے۔

پھر جب سب لوگ چلے گئے تو اُن کی ماں کھانے پینے کے لئے اصرار کرنے لگیں، مگر وہ ایک ہی بات کہہ رہے تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟

ماں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے تمھارے دوست کا کوئی علم نہیں۔

اُنھوں نے کہا: خطّاب کی بیٹی، اُمِّ جمیل (جو اُس وقت مسلمان ہو چکی تھیں) سے جا کر آپ کی خیریت معلوم کیجیے!

وہ اُمِّ جمیل کے پاس آ کر کہتی ہیں کہ: ابوبکر، محمد بن عبداللہ کا حال پوچھ رہے ہیں؟

اُمِّ جمیل نے کہا: مجھے نہ ابوبکر کا حال معلوم ہے اور نہ محمد بن عبداللہ کا۔ اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کے ساتھ چل کر آپ کے بیٹے کا حال معلوم کروں۔

اُنھوں نے کہا: ٹھیک ہے۔

اُمِّ جمیل، اُن کے ساتھ آتی ہیں، دیکھتی ہیں کہ ابوبکر بیمار پڑے ہوئے ہیں۔ قریب آ کر دیکھا تو اُن کی چیخ ہی نکل پڑی۔ بولیں: بدکار کافروں نے آپ کی یہ حالت کر دی ہے! میں اُمید کرتی ہوں کہ اللہ آپ کا بدلہ اُن کافروں سے لے گا۔

حضرت ابوبکر نے پوچھا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟

اُنھوں نے کہا: آپ کی ماں آپ کی باتیں سن رہی ہیں۔

اُنھوں نے کہا: اُن کا کوئی حَرَج نہیں۔

تب اُمِّ جمیل نے کہا: اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ ہیں، خیریت سے ہیں۔

اُنھوں نے پوچھا: کہاں تشریف رکھتے ہیں؟

جواب دیا: دارُالاَرقم (Islamic center) میں۔

اُنھوں نے کہا: جب تک میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہ کرلوں، اللہ واسطے، نہ ایک دانہ منھ میں ڈالوں گا اور نہ ایک بوند پانی چکھوں گا۔

جب پاؤں کو کچھ آرام ملا اور ماحول ٹھنڈا ہو گیا تو اُمِّ جمیل اور اُن کی والدہ اُنھیں ٹیک لگا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لیتے آئے۔ آپ نے جھک کر اُنھیں بوسہ دیا اور سارے مسلمان اُن پر جھک پڑے۔ اُن کا یہ حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بہت زیادہ پسیج گیا۔

حضرت ابوبکر نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان یارسول اللہ! مجھے کچھ نہیں ہوا، بس ستمگر نے میرا چہرہ زخمی کردیا۔ یہ میری ماں اپنے بیٹے پر بہت مہربان ہیں۔ آپ مبارک ہیں، اِنھیں اللہ کا پیغام سنائیں اور ان کے حق میں اللہ سے دعا کریں۔ آپ کی وجہ سے اللہ اِنھیں جہنم سے بچا ہی لے گا۔[۳]

کُھل کر تبلیغ کی اجازت

حضرت ابوبکر کے ساتھ جو حادثہ پیش آیا، اُس کے بعد ہی، تین سال پورے ہونے پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے حکم آ گیا کہ اَب آپ کھل کر'' اسلام کی تبلیغ کریں اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو توحید کی دعوت دیں۔[۴]

چنانچہ 613ء میں آپ نے اِس کام کو صفا پہاڑی سے شروع کیا۔ آپ زیادہ تر کعبے میں چلے جاتے، وہاں مشرکین کی بھیڑ اکٹھا ہوتی۔ آپ وہاں نماز بھی پڑھتے اور اُن کے سامنے اپنی بات بھی رکھتے۔

ایک ایسا ہی موقع تھا کہ آپ کعبے میں نماز پڑھ رہے تھے، اتنے میں عقبہ بن ابومُعَیط آتا ہے اور اپنی چادر اُن کے گلے میں پھنسا دیتا ہے، پھر خوب زور لگا کر گلا گھونٹنے لگتا ہے۔ اتنے میں ابوبکر آتے ہیں اور اُس کا کاندھا پکڑ کر اُسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہٹاتے ہوئے کہتے ہیں: کیا تم اُس آدمی کو مار ڈالو گے جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔

یہ دیکھ کر مشرکین آپ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر پر پل پڑے اور اُنھیں مارنے لگے اور اُن کے سر اور داڑھی کے بال بھی نوچے۔ حضرت ابوبکر اِسی حالت میں اپنے گھر واپس ہوئے۔[۵]

---

[۳] سیرۃ ابن کثیر: ۱/۳۳۹+۴۴۱
البدایۃ والنہایۃ: ۳/۴۰-۴۱
[۴] بخاری: کتاب تفسیر القرآن/باب وانذر عشیرتک الاقربین (4770)
مسلم: کتاب الایمان: باب فی قولہٖ تعالیٰ وانذر عشیرتک الاقربین (204+208)
تفسیر الطبری: ۱۵/۳۳۷
اسباب نزول القرآن: ۴۹۸،
[۵] بخاری: کتاب مناقب الانصار/باب مالقی النبی ﷺ واصحابہ (3856)
الاستیعاب: ۳/۹۶۷

اِدھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کھل کی تبلیغ شروع کی اور اُدھر مشرکین مکہ کھل کر آپ کو اور اور آپ کے ساتھیوں کو ستانے اور پریشان کرنے لگے، یہاں تک کہ حضرت ابوبکر جیسے بزرگ شہری کو بھی نہیں بخشا۔

حبشہ کی طرف ہجرت

جب مسلمان حد سے زیادہ پریشان ہوگئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں 614ء میں ''ملکِ حبشہ'' ہجرت کر جانے کو کہا تا کہ فتنے سے محفوظ رہیں اور اپنے دین پر ڈٹ کر اللہ کی عبادت کریں۔[٦]

اِس پوزیشن میں حضرت ابوبکر بھی سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکلے۔ جب بحرِ احمر کے ساحل (بَرْکُ الغِماد) تک پہنچے (تا کہ وہاں سے سوار ہو کر حبشہ کے ساحل پر پہنچیں) تو وہاں قبیلۂ قارہ کے سردار ابن الدّغنہ سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے پوچھا: ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے؟

اُنھوں نے کہا: میری قوم نے مجھے نکال دیا۔ لھٰذا اب میرا ارادہ ہے کہ شہر شہر گھوموں پھروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔

ابن الدغنہ نے کہا: اے ابوبکر! آپ جیسا آدمی نہ مکے سے نکلے گا اور نہ نکالا جائے گا۔ آپ تو فقیروں کا بھلا کرتے ہیں، رشتہ داری نبھاتے ہیں، دوسروں کا بوجھ اپنے سر لیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حقدار کو حق دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ واپس چلئے اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کیجئے، میں آپ کی ذمہ داری (جِوار) لیتا ہوں۔

اِس طرح ابن الدغنہ آپ کو لئے ہوئے واپس آجاتا ہے، پھر شام کے وقت قریش کے معزز لوگوں سے مل کر اُنھیں سناتا ہے کہ: ابوبکر جیسا آدمی نہ شہر سے نکلے گا اور نہ نکالا جائے۔ کیا آپ لوگ ایک ایسے آدمی کو نکال باہر کریں گے جو فقیروں کا بھلا کرتا ہے، رشتہ داری نبھاتا ہے دوسروں کا بوجھ اپنے سر لیتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے اور حقدار کو حق دلانے کی کوشش کرتا ہے؟ قریش نے ابن الدَغَنہ کی ''ذمہ داری'' کو جھٹلایا تو نہیں، مگر یہ تاکید کر دی کہ: آپ

---

[٦] سیرۃ ابن ھشام: ۳۵۸/۱
تاریخ الاسلام: ۱۸۴/۱

ابوبکر سے کہیں کہ وہ کھل کر ہمارے سامنے عبادت نہ کریں اور نہ ہمیں ایذا پہنچائیں، کیونکہ ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہماری عورتوں اور لڑکوں کو ''فتنہ'' میں ڈال دیں گے۔ چنانچہ ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر کو تاکید کردی۔

حضرت ابوبکر کچھ دنوں تک تو گھر کے اندر عبادت کرتے رہے، نہ کھل کر نماز پڑھتے اور نہ گھر کے باہر قرآن کی تلاوت۔ پھر اُنھوں نے اپنے گھر کے آنگن میں عبادت کی ایک جگہ مخصوص کرلی۔ (باہر گلی سے گذرنے والوں کو وہ جگہ صاف نظر آتی۔) جہاں وہ نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے۔ مشرکین کی عورتیں اور لڑکے اُدھر سے گذرتے تو اندر کا منظر دیکھ کر تعجب کرتے۔ حضرت ابوبکر بڑے نرم دل (رونے والے) انسان تھے۔ جب قرآن کی تلاوت کرتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے۔ یہ دیکھ کر قریش کے کانوں میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی (کیونکہ اِس سے اُن کی عورتوں اور لڑکوں کو اسلام کی جانکاری ہوگی اور اُن کے دلوں میں اُس کی محبت بیٹھنے لگے گی۔) چنانچہ اُنھوں نے ابن الدغنہ کو بلا بھیجا۔ جب وہ آیا تو اُس سے کہا: ہم نے ابوبکر کو آپ کی ذمہ داری پر اِس شرط پر چھوڑا تھا کہ وہ گھر کے اندر اپنے رب کی عبادت کریں، مگر وہ تجاوز کر گئے اور اپنے آنگن میں ایک عبادت گاہ بنالی، وہاں وہ کھل کر نماز پڑھنے اور تلاوت کرنے لگ گئے۔ یہ ہمارے لئے خطرناک بات ہے کہ وہ ہماری عورتوں اور ہمارے لڑکوں کو فتنے میں ڈال دیں گے۔ لھٰذا آپ اُنھیں روکیں۔ اگر وہ مان جائیں کہ گھر کے اندر عبادت کیا کریں تو ٹھیک ہے، ورنہ کھل کر عبادت کرنے کی صورت میں آپ اپنی ''ذمہ داری'' اُن سے واپس لے لیجے، کیونکہ آپ کے ساتھ بدعہدی کرنا ہمیں گوارہ نہیں اور نہ ہم ابوبکر کو کھلی چھوٹ دے سکیں گے۔

چنانچہ ابن الدغنہ، ابوبکر کے پاس آکر کہتا ہے: آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ سے کیا معاملہ طے ہوا تھا، یا تو آپ اُسے نبھایئے یا آپ میری ''ذمہ داری'' مجھے واپس کردیجے..... کیونکہ مجھے یہ پسند نہیں کہ عرب والے سنیں تو کہیں کہ ایک آدمی کی وجہ سے میری ساتھ بدعہدی کردی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر نے جواب دیا: ٹھیک ہے! تمھیں، تمھاری ذمہ داری مبارک ہو، میں اللہ کی ذمہ داری پر خوش ہوں۔[۷]

---

[۷] بخاری: کتاب مناقب الانصار/ باب ہجرۃ النبی ﷺ (3905)

حضرت ابوبکر کے چند اہم کردار

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے وہ اہم گوشے ہیں جس کا اسلامی تحریک سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جس تحریک کو لے کر اُٹھے تھے، اُس کے لئے سب سے پہلا مسئلہ تھا: قریشیوں کے درمیان اُس کا اعتماد بحال کرنا۔ کیونکہ توحید کی باتیں سن کر اور بتوں کی مخالفت دیکھ کر مشرکینِ مکہ حیرت میں پڑے ہوئے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کون سا نیا شگوفہ چھوڑا ہے۔ بہت سے لوگ آپ کی عقل پر شبہ کر رہے تھے۔ (معاذ اللہ) اِس شروعاتی دور (opening age) میں پیغمبرِ اسلام کو ایک ایسے ساتھی (sporter) کی ضرورت تھی جو بڑے اثر ورسوخ والا ہو، جس پر لوگ بہت زیادہ اعتماد کرتے ہوں اور جو کسی تحریک کو چلانے کی پختہ صلاحیت رکھتا ہو۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اُس وقت پورے قریش میں حضرت ابوبکر کے سوا اِس معیار کی کوئی دوسری شخصیت موجود نہیں تھی۔ جیسا کہ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ: ''حضرت ابوبکر بڑے اثر ورسوخ والے آدمی تھے اور اپنی قوم کے محبوب نظر تھے۔ لوگ اُن کے پاس معاملات کا فیصلہ کرانے آتے تھے، کیونکہ وہ ایک تجربہ کار تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے بھید بھاؤ کے بھی تھے۔ لوگوں سے اچھی طرح ملتے اور اچھے اخلاق سے پیش آتے تھے''۔

حضرت ابوبکر عین وقت پر، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گئے اور آپ کی تحریک سے جڑ گئے، جبکہ ابھی دوسرے لوگ کشمکش میں تھے اور اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر کا یہ رول (role) اتنا اہم تھا کہ بعد میں، ایک خاص موقع پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اُس طرف توجہ دلائی تھی، آپ نے کہا تھا:

''مادعوتُ احداً الی الاسلام الا کانت عنه کبْوۃٌ و تردُّدُ وَّنظر الا ابابکر ماعتّم منه حین ذکرتُه وماتَردّد فیه''۔

''میں نے جس کو بھی اسلام کی دعوت دی، اُس نے بے توجہی برتی، تردّد میں پڑ گیا اور سوچ بچار کرنے لگا، سوائے ابوبکر کے۔ جب میں نے اُن سے اسلام کا ذکر کیا تو نہ اُنھوں نے اُسے قبول کرنے میں دیر لگائی اور نہ تردّد میں پڑے۔[۸]

---

[۸] سیرۃ ابن ہشام: ۲۸۶/۱، سیرۃ ابن کثیر: ۴۳۳/۱، دلائل النبوۃ: ۱۶۵/۲

اِس کردار کی عظمت یہی تھی کہ وہ اسلامی تحریک کے لئے ستون(piller) ثابت ہوئے۔ چنانچہ مسلمان ہوتے ہی حرکت میں آ گئے اور اسلام کے لئے کام(work) شروع کر دیااور بہت جلد قریش کی چند اہم اور منتخب شخصیتوں (cream and important personalties) کوپیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کھڑا کیااور وہ سب مسلمان ہوکر ''اسلامی تحریک'' سے جُڑ گئے۔اُن کے نام یہ ہیں:-زُبیر بن عَوّام،عثمان بن عَفّان، طلحہ بن عُبید اللہ،سعد بن ابی وقّاص،عبدالرحمٰن بن عوف،عثمان بن مظعون،ابوعبیدہ بن جرّاح،ابوسلمہ بن عبدالاسداورارقم بن ابوالارقم،رضی اللہ عنہم۔

حضرت ابوبکر کا دوسرا اہم رول(role) یہ تھا کہ وہ اسلام کی اشاعت کے لئے مشورے (advices) دیا کرتے تھے۔اُنھوں نے ہی سب سے پہلے مشورہ دیا تھا کہ یہ چھپ چھپ کر اسلام کی تبلیغ کب تک؟اب ہمیں کھل کر سامنے آنا چاہئے۔حضرت ابوبکر نے جب یہ مشورہ دیا تھا،اُس وقت مسلمانوں کی تعداد:38 تھی۔ابھی40 سے کچھ زیادہ ہی مسلمان ہوئے تھے کہ اللہ کی وحی آ گئی اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوگیا کہ اب آپ کھل کر اسلام کی تبلیغ کریں۔اُسی کے بعد آپ صفا پہاڑی پر کھڑے ہوکر اپنے قریبی رشتہ داروں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کررہے تھے۔

حضرت ابوبکر کا مشورہ اتنا بروقت تھا کہ اللہ نے اُسے پسند کیا اور اُس کی تائید میں ''سورۃ الشعراء'' کی چند آیتیں اُتار دیں۔

تیسرا اہم رول(important role) یہ تھا کہ وہ مشورے دے کر پیچھے نہیں ہٹ گئے، بلکہ آگے بڑھ کر خود ہی رِسک (risk) بھی لیا۔ چنانچہ کعبے کے اندر مشرکین کی بھیڑ میں کھڑے ہوکر دعوتی تقریر(Dawah speach) شروع کردی،جس کے نتیجے میں حضرت ابوبکر پر بے پناہ تشدّد(cruelty) کیا گیا،یہاں تک کہ وہ نیم مردہ ہوگئے اور اُن کے بچنے کی امید نہ رہی۔حضرت ابوبکر نے کوئی بھڑکاؤ تقریر(hate speach) نہیں کی تھی،بلکہ اُنھوں نے پُر امن ماحول (peace full cundition) میں،سادے انداز میں توحید کی دعوت پیش کی گئی،لیکن مکّی دہشت گردوں(Meccan terrorist) سے یہ بات ہضم نہ ہوسکی۔حضرت ابوبکر نے اتنا بڑا رِسک لے کر

مذہبی جبر کو توڑنے کی جو عظیم کوشش (great struggle) کی تھی دھیرے دھیرے وہ کامیاب ہوگئی۔ وہ اِس بات کو بھی اچھی طرح محسوس کرتے تھے کہ اگر پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اِس کام کے لئے آگے بڑھے تو اُن پر آنچ آسکتی ہے۔ خدانخواستہ اسلامی تحریک میں کوئی رَخنہ پڑے! اِس لئے اُنھوں نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھا اور خود آگے بڑھ گئے۔ یہ رول اُنھوں نے اُس وقت بھی ادا کیا تھا جب مشرکین مکہ آپ کو جان سے مارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر نے پہنچ کر آپ کو بچالیا اور اُن مذہبی دہشت گردوں (religias terrorists) کی مار اپنے اوپر لے لی۔

چوتھا اہم رول یہ تھا کہ ''اسلامی تحریک'' کو مضبوط کرنے اور اُسے محفوظ طریقے سے آگے بڑھانے کے لئے پیسوں کی ضرورت پڑ رہی تھی۔ حضرت ابوبکر اُن دنوں کامیاب بزنس مین (Buisness man) تھے۔ اُس نازک وقت میں اُنھوں نے ہی اسلامی تحریک کو مالی تعاون پیش کیا اور بہت سارا پیسہ لگایا۔ یوں تو بعد میں بہت سے لوگ آگے آئے، لیکن حضرت ابوبکر کی اہمیت اِس لئے بڑھ جاتی ہے کہ اُنھوں نے پہل کی اور اُس وقت کی جب ضرورت بھی زیادہ تھی۔ پھر اُنھوں نے یہ سلسلہ بند بھی نہیں کیا، یہاں تک کہ اُن کی جیب خالی ہوگئی۔

جس دن وہ مسلمان ہوکر ''اسلامی تحریک'' میں شامل ہوئے تھے؛ اُس دن اُن کے پاس چالیس ہزار (400,00) درہم تھے (یعنی: 122.40 کلوگرام چاندی) اور جس دن ہجرت کر کے مدینے آرہے تھے، اُس دن اُن کے پاس صرف پانچ ہزار (500,0) درہم رہ گئے تھے (یعنی: 15.30 کلوگرام چاندی) اور جس دن اُن کی وفات ہوئی، اُس دن اُن کے بیت المال میں درہم و دینار میں سے کچھ بھی نہ ملا۔ جس تھیلے میں وہ 'مال' رکھتے تھے، جب اُسے جھاڑا گیا تو اُس میں سے صرف ایک درہم نکلا، جبکہ اُن کے بیت المال میں دولاکھ (200,00,0) درہم آئے تھے۔ (یعنی: 612 کلوگرام چاندی)[۹] یعنی خلیفہ بننے کے بعد بھی اُنھوں نے اپنے پاس کچھ نہیں رکھا، بلکہ سب اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا۔

حضرت ابوبکر کے یہ سارے کردار اتنے اہم اور عظیم تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا اعتراف بھی کیا اور اپنے صحابہ پر اُسے جتایا بھی۔ چنانچہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

---

[۹] الطبقات الکبریٰ: ۳/۱۲۸-۱۶۰

’’ان اللّٰــه بَـعثـنــی الیـکـم فـقـلـتـم : کـذبـتَ وقـال ابــوبــکــر: صـدقَ،وواسـانـی بـنـفـسـہٖ و مـالـہٖ ‘‘۔

(بے شک اللہ نے مجھے تمھاری طرف نبی بنا کر بھیجا تو تم سب نے مجھے جھٹلا دیا، لیکن ابوبکر نے مجھے سچا مانا اور اپنی جان و مال سے میری مدد کی۔)[۱۰]

یوں ہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’مالأحدٍ عندنا یدٌ الا وقد کأفیناہ خلا ابابکر فان لہ عندنا یداً یکافئہ اللّٰہ یوم القیٰمۃ ومانفعنی مال احدٍ قطّ مانفعنی مال ابی بکر‘‘۔

(ہم پر جس کا بھی احسان تھا؛ ہم نے اُس کا بدلہ چکا دیا، سوائے ابوبکر کے۔ بے شک اُن کا ہم پر جو احسان ہے، قیامت کے دن اللہ اُس کا بدلہ دے گا۔ کبھی کسی کے مال نے وہ فائدہ مجھے نہیں پہنچایا جو فائدہ ابوبکر کے مال نے مجھے پہنچایا۔)[۱۱]

برٹانیکا انسائیکلو پیڈیا کے مقالہ نگاروں نے بھی اِن نکتوں کی نشاندہی کی ہے:

"Abu Bakr also called Al-Siddiq,Muhammad's closest adviser, who succeedeed to the prophet's political and companion and administrative function.

(ابوبکر کو ’’صدیق‘‘ بھی کہا جاتا ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قریبی ساتھی اور مشیر تھے، جنھوں نے پیغمبر کے سیاسی اور حکومتی مقصد کو کامیاب کیا۔[۱۲]

اسلامی تحریک کو آگے بڑھانے اور اُسے کامیابی کی طرف لے جانے میں حضرت ابوبکر کا ایک اور رول سامنے آتا ہے، وہ ہے: موقع (opportunity) کو غنیمت جاننا اور پھر اُس میں سخت کوشش (struggle) کرنا۔

---

[۱۰] بخاری: کتاب فضائل الصحابہ، باب فضل ابی بکر (3661)

[۱۱] ترمذی: کتاب المناقب: باب مناقب ابی بکر الصدیق (3661)

[۱۲] Britannica encyclopaedia:1/44

ابن الدغنہ کے ساتھ جو معاملات ہوئے اُس میں یہی رول اُنھوں نے ادا کیا۔ جب یہ دیکھا کہ مکے میں اسلام کی اشاعت کے راستے تنگ ہو چکے ہیں تو اُنھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کا پلان بنایا تاکہ وہاں اسلامی تحریک کا دائرہ وسیع کیا جائے، لیکن جب ابن الدغنہ کی طرف سے مکے ہی میں موقع مل رہا تھا تو اُنھوں نے اُسے غنیمت جانا اور حسنِ تدبیر سے قرآن کی اشاعت اور نماز کی دعوت میں لگ گئے۔ یہ اُن کی ایک خاموش تحریک تھی اور مشرکین کی عورتوں اور لڑکوں پر اُس کا اثر بھی تیزی سے ہو رہا تھا، لیکن بڑوں کو خطرہ نظر آنے لگا اور اُنھوں نے اِس تحریک کو بند کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ حضرت ابوبکر نے اِس کے لئے ابن الدغنہ سے اپنے معاملات تو ختم کر لئے، لیکن اُنھوں نے قرآن کی اشاعت اور نماز کی دعوت بند نہیں کی اور یہ تہیّہ کر لیا کہ آگے جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔

حضرت ابوبکر کے اِس کردار سے مشرکینِ مکہ کی دہشت گردی کا ایک ریکارڈ (a record of the terrorism) بھی تیار ہو گیا کہ جو لوگ حضرت ابوبکر کی شخصیت کو مان چکے تھے اور اُنھیں اپنے سماج (society) کا وقار سمجھ رہے تھے؛ صرف اِس بات پر اُن کا بائیکاٹ (boycott) کرنے پر تُل گئے تھے کہ اُنھوں نے باپ دادا کا مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین کیوں اختیار کر لیا تھا؟ اُن کی دہشت گردانہ کارروائیوں سے ثابت ہو گیا تھا کہ اُن کے نزدیک مسلمان ہونا سب سے بڑا جرم تھا۔

کردار کی اِنہی عظمتوں کی بنیاد پر، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللّٰہ عنہ سے ایک خاص تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا تھا:

''لو کنتُ متّخذاً خلیلاً لاتّخذتُ ابابکر ولکن اخی وصاحبی''۔

(اگر میں کسی کو 'خلیل' بناتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن وہ میرے بھائی اور دوست ہیں۔)[۱۳]

[۱۳] بخاری: کتاب فضائل الصحابہ، باب فضل ابی بکر بعد النبی ﷺ (3656)
ترمذی: کتاب المناقب: باب مناقب ابی بکر الصدیق (3661)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ

(وفات:20ھ/641ء)

حضرت بلال کے والد کا نام رَباح اور والدہ کا حَمامَہ تھا۔ وہ عبداللہ بن جَدْعان نام کے ایک شخص کے غلام تھے جو اُس کی بکریاں چَراتے تھے۔ اُس آدمی کے پاس سَو اَیسے (مُوَلّد) غلام تھے جن کے باپ عربی اور ماں عجمی نسل کی تھیں۔ اُس نے بلال کے سوا سب کو مکے سے باہر بھیج دیا تھا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اُنھیں اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گئے۔ آپ نے اُنھیں تاکید کی کہ اپنا اسلام چھپائے رکھنا، لیکن یہ معاملہ اُن سے چھپ نہ سکا اور خبر عبداللہ بن جَدعان تک جا پہنچی۔ اُس نے حضرت بلال کو ابوجہل اور اُمیّہ بن خَلَف کے حوالے کرتے ہوئے کہا: آپ اِس کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں۔ وہ دونوں حضرت بلال کو طرح طرح سے سزائیں دیتے۔[۱۴]

ٹھیک دوپہر کے وقت، اُمیّہ بن خَلَف اُنھیں لے کر آتا اور مکے کی گرم گرم ریت پر اُنھیں پیٹھ کے بَل لٹا دیتا، پھر ایک بھاری بھرکم چٹان اُن کے سینے پر رکھ دی جاتی۔ پھر وہ بولتا: قسم اللہ کی یا تو تم اِسی حالت میں پڑے پڑے مر جاؤ گے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مُکر جاؤ اور لات وعزّٰی کی عبادت کرنے لگو۔ مگر وہ اُس کڑی آزمائش میں بھی اَحَد اَحَد کہتے (کہ اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے۔)[۱۵]

کبھی وہ بلال کو گرم ریت پر منہ کے بل لٹا کر دونوں مونڈھوں کے درمیان چکی رکھ دیتے اور کہتے: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبی ماننے سے انکار کرو!

وہ کہتے: نہیں! اللہ ایک ہے۔[۱۶]

کبھی عبداللہ بن جَدْعان کے گھر والے اُن کو پکڑتے اور اُن کے اوپر بیٹھ جاتے، اُن پر

---

[۱۴] تاریخ مدینۃ دمشق: ۱۰/۴۳۶

[۱۵] سیرۃ ابن ھشام: ۱/۳۵۴

[۱۶] تاریخ مدینۃ دمشق: ۱۰/۴۳۶

گرم گرم بالواور گائے کی کھال ڈال دیتے اور کہتے: لات وعُزّیٰ تمھارا رب ہے۔مگر وہ اَحَد اَحَد کہتے۔

کبھی کفارِ مکہ اُن کی گردن میں رَسّی ڈال دیتے اور اپنے بچوں سے کہتے: اِسے مکے کے دو پہاڑوں (ابوقُبَیس اور اَحمر) کے درمیان گھسیٹتے پھرو۔ پھر بھی بلال اَحَد اَحَد ہی کہتے۔

آخر کار ایک دن حضرت ابوبکرآئے اور کفارِ مکہ سے کہا: کس بات پر تم لوگ اسے سزا دے رہے ہو؟ چنانچہ اُنھوں نے پانچ یا سات اوقیہ (856.80 گرام) چاندی دے کر حضرت بلال کو آزاد کرالیا۔[۱۷]

کفارِ مکہ نے ہر طرح سے کوشش کر کے دیکھ لی کہ بلال اپنے دین سے باز آجائیں۔ وہ اُن پر دَباؤ ڈالتے کہ لات وعُزّیٰ کی خدائی کو تسلیم کرلیں، چونکہ وہ حَبَشی تھے، اِس وجہ سے وہ مکے والوں کی زبان (meccan lenguege) میں زیادہ بات نہیں کر پاتے تھے۔ وہ صرف اَحَد اَحَد کہہ کر رہ جاتے۔ کفارِ مکہ مطالبہ کرتے کہ ہم لات وعُزّیٰ کے بارے میں جو کہتے ہیں وہی تم بھی کہو۔ تو وہ جواب دیتے: میں اپنی زبان سے کہہ نہیں پاتا۔

کفارِ مکہ چاہتے تھے کہ وہ بلال سے اپنے بتوں کی تعریف میں ایک آدھ بات ہی سن لیں، لیکن حضرت بلال نے اُن کی اِس خواہش کو کبھی پورا ہونے نہ دیا۔[۱۸]

مکے میں حضرت بلال کے ساتھ جو کچھ ظلم ہو رہا تھا، وہ محض ایک مظلومی کا واقعہ نہ تھا اور وہ خونخوار دہشت گردوں کا صرف ایک خونی ریکارڈ نہیں تھا، بلکہ وہ اسلامی تحریک کو زندہ رکھنے کی ایسی جان توڑ کوشش تھی جس کی مثال پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی ساتھیوں میں نہیں ملتی۔ اِس معاملے میں حضرت بلال کی شخصیت، علامتی شخصیت (symbolic personality) بن چکی تھی۔ سماج میں حضرت بلال کی کوئی حیثیت نہیں تھی، کیونکہ وہ ایک ناپسندیدہ غلام تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد اُن کے ساتھ جو کچھ ہوا، اگر وہ ایک سادہ سا مظلومانہ واقعہ ہوتا تو صحابہ کی نگاہ میں بھی اُس کی کوئی قیمت نہ ہوتی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی کا یہ بیان کتنا حیرت انگیز ہے:

''ابوبکر سیدنا واعتق سیدنا یعنی بلالاً''۔

[۱۷] الطبقات الکبریٰ: ۱۷۵/۳، ۱۷۶

[۱۸] الطبقات الکبریٰ: ۱۷۵/۳

(ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور اُنھوں نے ہمارے سردار بلال کو آزاد کرایا۔)[۱۹]

حضرت بلال کے تعلق سے دوسرے مسلمانوں کے بھی یہی جذبات تھے۔لوگ اُن کے پاس آتے اور اُن کی خوبیوں اور فضیلتوں کا ذکر کیا کرتے تھے،مگر وہ کہتے:

''انی انا حبشی کنتُ بالامس عبداً''۔

(میں تو ایک حبشی ہوں۔کل تک میں ایک غلام تھا۔)[۲۰]

صحابہ،حضرت بلال کو اِس قدر عزت کی نگاہ سے صرف اِس لئے دیکھتے تھے کہ اُنھوں نے ابتدائی دور میں اسلامی تحریک کو زندہ رکھنے اور اُسے آگے بڑھانے میں بڑی قربانی دی تھی۔

زندگی کے اِن تلخ تجربات نے اُن کے ایمان کو اور زیادہ پختہ کر دیا تھا۔ظلم اور تشدّد نے اُن کے جسم کو ضرور کمزور کر دیا تھا،لیکن ایمان بھرا دل اتنا زیادہ مضبوط ہو چکا تھا کہ بڑی سے بڑی چٹان بھی اُسے دَبا نہ سکی۔اُن کی زبان سے اَحَد اَحَد ہی نکلتا رہا۔اِس کا اثر اُن کی پوری زندگی پر چھایا رہا۔وہ اذان،نماز اور جہاد جیسے کاموں کے لئے وقف ہو گئے تھے۔اُن کی اِس زندگی کی سچی تصویر پر خود پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی ہے،آپ فرماتے ہیں:

''مثل بلال کمثل نَحلَة غدت تأکل من الحُلوّ والمُرّثم ھو حُلوّ کلُّه''۔

(بلال کی کہاوت شہد کی اُس مکھی کی طرح ہے جو (پھولوں سے) کھٹا میٹھا رَس چوستی ہے پھر وہ سب کا سب میٹھا (شہد) بن جاتا ہے۔)[۲۱]

اسلامی تحریک کی خاطر جان پر کھیل جانا،حضرت بلال کا جیسے شوق بن گیا ہو۔وہ تمام جنگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔[۲۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اُن کا جذبہ سلامت رہا۔وہ اسلامی

---

[۱۹] بخاری: کتاب فضائل الصحابۃ/باب مناقب بلال بن رَباح مولیٰ ابی بکر رضی اللہ عنھما (3754)
الکتاب المصنف: کتاب الفضائل/فی بلال رضی اللہ عنہ وفضلہ (32327)
[۲۰] الطبقات الکبریٰ: ۱۸۰/۳
[۲۱] مجمع البحرین: کتاب المناقب/مناقب بلال (3845)
مجمع الزوائد: کتاب المناقب/باب فضل المؤذن بلال رضی اللہ عنہ (15639)
[۲۲] الطبقات الکبریٰ: ۱۸۰/۳

تحریک سے ہمیشہ جُڑے رہنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک دن وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے: ''اے خلیفۂ رسول! بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''مومن کا افضل عمل، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے''۔

حضرت ابوبکر نے پوچھا: بلال! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

اُنھوں نے جواب دیا: میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں کمر کس لوں اور پھر اپنی جان دے دوں۔

حضرت ابوبکر نے کہا: بلال! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں اور اپنے حق و عزت کا واسطہ دیتا ہوں، میں بوڑھا اور کمزور ہو چلا ہوں اور میری موت کا وقت قریب آ چکا ہے؛ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ اَذان کہتے تھے، ویسے ہی اب بھی اذان کہئے۔

حضرت بلال نے کہا: اگر آپ نے مجھے اپنی خدمت کے لئے خریدا ہے اپنے پاس رکھئے اور اگر اللہ کے لئے خرید کر آزاد کیا ہے تو مجھے چھوڑ دیجے تاکہ میں اللہ کے لئے عمل کروں۔

حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے آپ کو اللہ کے لئے آزاد کیا ہے۔

حضرت بلال نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کسی کے لئے اذان دینا نہیں چاہتا۔

حضرت ابوبکر نے کہا: جیسی آپ کی مرضی۔

پھر وہ حضرت ابوبکر کے پاس رُک گئے اور اُن کے لئے اذان دیتے رہے، لیکن اُن کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اُن سے اذان کے لئے اصرار کیا، لیکن اُنھوں نے صاف انکار کر دیا اور ''جہاد'' کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ جب ایک لشکر ملکِ شام روانہ ہونے لگا تو وہ بھی اُس میں شریک ہو کر ملک شام آ گئے۔ پھر وہیں اُنھوں نے ''دِمشق'' میں وفات پائی۔[۲۳]

[۲۳] الطبقات الکبریٰ: ۱۷۹،۱۷۸/۸
المعجم الکبیر: ۳۳۷/۱ (1010) ۳۳۸/۱ (1015)
بخاری: کتاب فضائل الصحابۃ/مناقب بلال بن رَباح (3754)
المستدرک: کتاب معرفۃ الصحابۃ/ذکر بلال بن رَباح (5239)
اِس واقعے میں روایتیں اِس قدر مختلف آئی ہیں کہ تضاد پیدا ہو گیا ہے۔ میں نے اُن روایتوں میں تطبیق دے کر مضمون بنانے کی کوشش کی ہے۔

اِس واقعے سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت بلال، اسلامی تحریک کے کتنے سرگرم رُکن تھے۔ ۶۰، ۷۰ سال کی عمر ہونے کے بعد بھی اُن کے اِس جوش میں کوئی کمی نہیں آئی۔ ابتدا میں اُنھوں نے اسلامی تحریک کو اپنا خونِ جگر پلایا اور انتہا میں اُس تحریک پر اپنی جان دے دی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ مثالی کردار لوگوں کے دل و دماغ پر چھایا رہا اور وہ اُن کی شخصیت کی اِس خوبی کے بڑے معترف رہے۔ اِس سے ہٹ کر اُنھیں کچھ سننا گوارہ نہ تھا۔ چنانچہ جب ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی شاعر نے یہ مصرعہ پڑھا ؎

بِلَالُ عَبْدِاللّٰهِ خَيْرُ بِلَالٍ

(یعنی عبداللہ بن عمر کا بلال بہتر بلال ہے۔)

عبداللہ بن عمر نے وہیں اُسے ٹوکا اور کہا: تو نے جھوٹ بکا، بہتر تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ''بلال'' ہیں۔[۲۴]

[۲۴] مسند الامام احمد: ۲/۲۱۷ (5606)

اَبوذَر غِفاری رضی اللہ عنہ

(وفات: 32ھ/652ء)

حضرت اَبوذَر غِفاری رضی اللہ عنہ کا اصل نام جُندُب بن جَنادہ ہے۔ یہ بَنُو غِفار قبیلے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے غِفاری کہلاتے تھے۔

حضرت ابوذر، دَورِ جاہلیت میں بھی توحید پرست تھے۔ لا اِلٰہ الا اللہ'' کہتے تھے اور بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے، بلکہ اعلانِ نبوت سے دو تین سال پہلے ہی سے اللہ کی عبادت کرنے لگے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سونپی گئی تو ایک دن مکے کے ایک آدمی نے اُنھیں آ کر بتایا کہ ہمارے وہاں بھی ایک آدمی ظاہر ہوا ہے جو تمھاری طرح لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے اور اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے۔

اُنھوں نے پوچھا: کسی خاندان سے ہے؟

اُس نے کہا: قریش سے۔

یہ خبر سن کر اُنھوں نے اپنے بھائی اُنَیس سے کہا کہ: مکے کی وادی میں جاؤ اور اُس آدمی کا حال معلوم کر کے مجھے بتاؤ جس کا دعویٰ ہے کہ وہ ''نبی'' ہے اور اُس کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے۔ اُس کی باتیں سننا پھر مجھے آ کر بتانا۔

اُن کا بھائی روانہ ہوتا ہے اور آپ کے پاس آ کر آپ کی باتیں سنتا ہے، پھر وہ اَبوذَر کو آ کر بتاتا ہے کہ: ''میں نے اُنھیں دیکھا کہ وہ اچھے اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور ایک ایسا کلام پیش کرتے ہیں جو شعر نہیں''۔

یہ سن کر اُنھوں نے کہا: میں جو تشفی چاہتا تھا، وہ تم سے نہ ہو سکی۔

پھر وہ توشہ اور پانی بھرا ایک مشکیزہ لے کر مکہ آئے۔ کعبے کے پاس آ کر اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کیا۔ وہ آپ کو پہچانتے نہ تھے اور آپ کے بارے میں کسی سے پوچھنا بھی پسند نہ کیا، یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُنھیں دیکھا تو سمجھ گئے کہ وہ کوئی اجنبی ہے اور وہ اُن کے پیچھے لگ گئے۔ اُن میں سے کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہیں پوچھا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ پھر وہ اپنا مشکیزہ اور توشہ لے کر کعبے کی طرف چل پڑے۔ وہ

دن بھر چلتے رہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو دکھائی نہ دیئے، یہاں تک کہ شام ہوگئی اور وہ اپنی آرامگاہ کی طرف لوٹ چلے۔ پھر وہاں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گذر ہوا تو اُنھوں نے کہا: کیا آپ کو ابھی تک اپنی منزل نہیں ملی؟

حضرت علی نے اُن کو اپنے ساتھ ٹھہرایا۔ اُنھیں اپنے ساتھ لے گئے، لیکن اُن میں سے کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا؟

یہاں تک کہ جب تیسرا دن ہوا تو حضرت علی نے اُن کو پھر وہی بات کہی اور اُنھیں اپنے ساتھ ٹھہرایا تب اُنھوں نے پوچھا: کیا آپ اپنے آنے کا سبب مجھ سے بیان نہ کریں گے؟

ابوذر نے کہا: اگر آپ مجھ سے پکّا وعدہ کریں کہ آپ میری رہنمائی کریں گے تو میں آپ کو آنے کا سبب بتاؤں گا۔

حضرت علی نے وعدہ کیا تو ابوذر نے بتادیا۔

تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہنا شروع کیا کہ:

بے شک وہ حق پر ہیں۔ بے شک وہ اللہ کے رسول ہیں۔ جب صبح ہوگی تو میرے ساتھ چلنا۔ اگر میں رستے میں کوئی ایسی چیز دیکھوں جس سے آپ کو خطرہ ہوگا تو میں اِس طرح رُک کر کھڑا ہوجاؤں گا جیسے پیشاب کررہا ہوں اور اگر میں آگے بڑھ جاؤں تو آپ پیچھے پیچھے آیئے گا، یہاں تک کہ میں جس گھر میں داخل ہوں گا، آپ بھی داخل ہوجایئے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ رُکتے ٹھہرتے چلتے رہے، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ ابوذر بھی اُن کے ساتھ آگئے۔ ابوذر نے آپ کی گفتگو سنی اور اُسی جگہ اسلام قبول کرلیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں کہا کہ اپنی قوم میں واپس جاؤ اور اُنھیں خبر کردو، یہاں تک کہ تمھارے پاس میرا کوئی حکم آئے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں ضرور کافروں کے درمیان اِسے چیخ چیخ کر کہوں گا۔

چنانچہ وہ باہر آئے اور کعبے کے پاس پہنچ کر بلند آواز سے کہا:

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد اللہ کے رسول ہیں۔

کافروں نے سنا تو اُنھیں مار مار کر زمین پر لٹا دیا۔ حضرت عبّاس آ کر اُن پر جھک پڑے اور کہنے لگے:

تم لوگوں پر افسوس ہے! کیا تمھیں نہیں معلوم کہ وہ قبیلۂ غِفَار سے تعلق رکھتا ہے اور تمھاری تجارت کا راستہ اُسی طرف سے ہو کر ''شام'' کو جاتا ہے، چنانچہ حضرت عباس نے اُنھیں کافروں سے بچا لیا۔

کل ہو کر اُنھوں نے پھر وہی نعرہ بلند کیا تو کافر اُن پر ٹوٹ پڑے اور مارنے لگے۔ حضرت عباس نے پھر اُنھیں جھک کر بچا لیا۔ [۲۵]

حضرت ابوذر پرانے مسلمانوں میں سے تھے۔ مسلمان ہونے میں اُن کا چوتھا نمبر تھا۔[۲۶]

---

[۲۵] صحیح البخاری: کتاب فضائل الصحابۃ ر باب اسلام ابی ذرّ الغفاری رضی اللہ عنہ (3861)

مسلم: کتاب الفضائل ر باب من فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ (2474)

[۲۶] حاکم اور طبرانی، حضرت جُبیر بن نُفَیر کی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر کا بیان ہے: **''لقد رأیتُنی ربع الاسلام لم یسلم قبلی الاالنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وابوبکر وبلال رضی اللّٰہ عنھما''۔**

(میں نے خود کو چوتھا مسلمان پایا۔ مجھ سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر اور بلال رضی اللہ عنھما کے سوا کوئی مسلمان نہ ہوا تھا۔) [المعجم الکبیر: ۱۴۸/۲ (1618)

المستدرک: کتاب معرفۃ الصحابۃ رذکر مناقب ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہ (5458)

ابن حِبّان نے بھی اِس طرح کی ذرا طویل روایت ذکر کی ہے۔ اُن کی روایت کے مطابق بھی حضرت اَبوذر چوتھے مسلمان ٹھہرتے ہیں۔ اِس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن حِبّان لکھتے ہیں: **''قول ابی ذر کنت رابع الاسلام اراد من قومہٖ لان فی ذٰلک الوقت اسلم الخلق من قریش وغیرھم''۔**

(ابوذر کا یہ کہنا کہ میں چوتھا مسلمان ہوں۔ اِس سے مراد اپنی قوم کا چوتھا مسلمان، کیونکہ اُس وقت قریش وغیرہ کے بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔)

(صحیح ابن حبان: کتاب عن مناقب الصحابۃ رذکر البیان بان اباذر رضی اللہ عنہ کان ربع الاسلام

یہ رائے درست معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ تاریخی اعتبار سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابوذر...

اُن کے مسلمان ہونے پر رسول اللہ علیہ وسلم کو بڑا تعجب ہوا، کیوںکہ وہ جس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، اُس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ڈاکوؤں کا قبیلہ ہے۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم بار بار اُنھیں آنکھ اٹھا کر دیکھ رہے تھے اور تعجب کر رہے تھے کہ اللہ کی شان جسے چاہے ہدایت دے۔[۲۷]

حضرت اَبُو ذَر بڑے نڈر آدمی تھے۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی تحریک ابھی شروع ہی کی تھی کہ اُس تحریک سے آجُڑے۔ اسلامی تحریک سے جُڑنے کے بعد اُن کا سب سے اہم اور نمایاں رول یہ رہا کہ اُنھوں نے اُس تحریک کو باہر لانے میں رِسک (risk) سے کام لیا۔ اِس معاملے میں اُنھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے قدم اُٹھایا۔ اِس طرح اسلام ''خبر'' کی حیثیت سے نکل کر یک بیک چرچے میں آ گیا۔ لیکن حضرت اَبُو ذَر کا یہ رویّہ، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی عمل (Dawah work) کے لئے بہت بڑی مصیبت بن جاتا، اِس لئے آپ نے مناسب نہیں سمجھا کہ اِس شروعاتی دور (opening age) میں مار پیٹ اور خون خرابہ ہو۔ اَبُو ذَر چونکہ بے باک آدمی تھے، اِس لئے

.....اپنی قوم کے پہلے مسلمان تھے، پھر اُن کی تبلیغ سے اُن کے بھائی: اُنَیس اور اُن کی ماں مسلمان ہوئیں، جیسا کہ آگے صحیح مسلم کی روایت آ رہی ہے۔

دوسری چیز یہ کہ حدیث کے متن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی قوم کے مسلمانوں کی بات نہیں کر رہے ہیں، اِسی لئے اُنھوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کے نام لئے۔ اُنھوں نے اِس ترتیب میں خود کو چوتھے نمبر پر رکھا۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ حضرت ابوذر اُن مسلمانوں کی بات کر رہے ہیں جن کا مسلمان ہونا ظاہر ہو چکا تھا۔ ورنہ مسلمانوں کی اصل تعداد کے اعتبار سے وہ چوتھے نمبر پر نہیں تھے، کیوںکہ سب سے پہلے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے لوگ مسلمان ہوئے تھے، جن میں حضرت خدیجہ، حضرت زید بن حارِثہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ یہ فرق اُن تمام صحابیوں کے سلسلے میں ملحوظ رکھا جائے گا جنھوں نے اپنے مسلمان ہونے کا کوئی نمبر بتایا ہے۔

ابن سعد نے ابومروان کی ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوذر کہتے ہیں: ''**كنت في الاسلام خامسة**''۔ (میرا اسلام لانے میں پانچواں نمبر ہے۔) [الطبقات الکبریٰ: ۱۶۸/۴]

---

[۲۷] الطبقات الکبریٰ: ۱۶۸/۴

مکے میں اُن کا رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ چنانچہ پیغمبرِ اسلام نے اُنھیں کہا کہ: ”اپنی قوم میں جا کر میرے دین (اسلام) کی تبلیغ کرو، امید ہے کہ اللہ تمھارے ذریعے اُنھیں نفع پہنچائے گا اور تمھیں اُس کا اجر دے گا“۔

چنانچہ پہلے وہ اپنے ٹھکانے پر آئے جہاں اُن کے بھائی اُنیس اور اُن کی والدہ موجود تھیں۔ اُنھوں نے سارا حال کہہ سنایا اور بتا دیا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ یہ سن کر اُن کے بھائی اور اُن کی والدہ بھی مسلمان ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ اپنے قبیلے (غِفار) میں آئے اور اسلام کی تبلیغ کرنے لگے ۔اُن کی تبلیغ سے بہت جلد آدھے لوگ مسلمان ہو گئے۔ بقیہ لوگوں نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے آئیں گے تو ہم وہاں جا کر مسلمان ہو جائیں گے، چنانچہ جب آپ ہجرت کر کے مدینے پہنچے تو غِفار کے باقی لوگ وہیں جا کر مسلمان ہو گئے۔ پھر قبیلہ اَسلم کے لوگ بھی آئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! جس طرح ہمارے بھائی مسلمان ہوئے، اُسی طرح ہم بھی مسلمان ہوتے ہیں۔ اُس موقع پر اُن سب کو دعا دیتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا تھا:

”غِفَارُ غَفَرَ اللّٰهُ وَاَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰهُ“۔ (غفار کی اللہ مغفرت کرے اور اَسلم کو اللہ سلامت رکھے۔)[۲۸]

اسلامی تحریک کو مضبوط کرنے میں حضرت اَبُو ذَر غِفاری نے ایسا اہم رول ادا کیا ہے جس کی مثال پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں کم نظر آتی ہے۔ مکے میں مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ وہ چھپے ہوئے اور دَبے ہوئے تھے۔ اسلامی تحریک کے راستے میں بڑی بڑی چٹانیں پڑی ہوئی تھیں۔ پھر ایک وقت وہ آیا کہ مسلمانوں کے ساتھ بڑی بے رحمی کا سلوک ہونے لگا، وہ مارے اور پیٹے جا رہے تھے۔ پورا دہشت کا ماحول تھا۔ ظاہر ہے دہشت بھرے اِس ماحول میں اسلامی تحریک سے جُڑنا بڑی ہمت کا کام تھا۔ اِس لئے اِس تحریک کی رفتار بہت سست تھی، کیونکہ یہاں کھل کر (publicly) تحریک چلانے کا مطلب تھا: ٹکراؤ اور اُلجھاؤ۔

اِس کے برخلاف حضرت اَبُو ذَر اِسی تحریک کو اپنے قبیلے میں بے خوف وخطر چلا رہے تھے۔ اُن کی تحریک ”بے ٹکراؤ کی تحریک“ تھی۔ وہ حالات کی نزاکت کو سمجھتے تھے ۔لوگوں کا مزاج

---

[۲۸] مسلم: کتاب الفضائل / باب من فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ (2473)

لوگوں کا مزاج پڑھتے تھے۔ اُنھوں نے ذہنوں کو اسلام کے موافق کرلیا تھا۔ اُنھوں نے ''دعوت'' کا ایک ایسا طریقہ اختیار کیا تھا جس سے لوگ قریب آتے گئے۔ اُدھر مدینے میں، صحابہ قریش سے جنگ کی تیاری کر رہے تھے اور اِدھر حضرت ابوذر اسلامی تحریک کو آگے بڑھانے میں مصروف تھے، یہاں تک کہ وہ اپنی دعوتی مصروفیتوں کی وجہ سے ''بدر'' جیسی اہم اسلامی جنگ میں شریک نہ ہو سکے۔ وہ جہاں تھے، وہاں جنگی ماحول نہیں تھا، بلکہ دعوتی ماحول تھا۔ جو لوگوں کے حق میں زیادہ مفید اور بہتر تھا۔ حضرت ابوذر کی شخصیت کا یہ پہلو آج کے ماڈرن زمانے میں آئیڈیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں جنگ نہیں (No war) دعوتی عمل (Dawah work) کی ضرورت ہے۔

ماڈرن اسلامک ورلڈ (Modren Islamic World) کے مقالہ نگاروں نے حضرت ابوذر کی شخصیت کے اِس پہلو کو نمایاں کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ابوذر غفاری محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی اور جدید نظریاتی بحث کے مرکزی نقطہ تھے۔ وہ مکہ میں پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ملاقات کو آئے۔ وہ قدیم الاسلام لوگوں میں سے ایک تھے۔ اُنھوں نے بڑی بہادری کے ساتھ قریش کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ قریش نے اُنھیں پکڑ کر مارا پیٹا اور اُنھیں یہ یاد نہ رہا کہ اُن کا تجارتی راستہ ابوذر کے قبیلے سے ہو کر گزرتا ہے۔ ممکن ہے اُن کی یہی بیبا کی دیکھ کر پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُنھیں حکم دیا کہ اپنے گھر واپس جاؤ اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت پیش کرو۔ مختصر یہ کہ فتح مکہ تک وہ دعوت کے کام میں لگے رہے اور قریش اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والی کسی جنگ میں شریک نہ ہوئے''۔[۲۹]

[۲۹] The Oxford Encyclopedia of the Modren Islamic World:1/19

مِقْداد بن اَسوَد رضی اللہ عنہ

(پیدائش:583ء......وفات:33ھ/457ء)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ، دورِ جاہلیت (Dark age) میں ''بَہر اء'' قوم کے ایک فرد تھے۔ اُنھوں نے اپنی قوم کے ایک آدمی کا خون کر دیا اور بھاگ کر قبیلۂ کِندہ میں آ گئے۔ کِندہ والوں نے اُنھیں اپنا مددگار ساتھی (حلیف) بنالیا۔ پھر وہاں بھی ایک آدمی کا خون کر کے بھاگے اور ''مکہ'' آ گئے۔ یہاں وہ اَسود بن یغوث کے حلیف ہو گئے، بلکہ اَسود نے اُنھیں اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔ اِسی نسبت سے اُنھیں ''مقداد بن اَسود'' کہا جانے لگا۔[۳۰]

جب اسلام کی روشنی پھوٹی تو اُس روشنی میں نہانے کے لئے حضرت مقداد نے بہت جلدی کی۔ وہ پرانے مسلمانوں میں تھے؛ اُن مظلوم مسلمانوں میں جنھیں مکے میں ستایا جا رہا تھا۔ وہ کوئی کمزور آدمی نہیں تھے۔ جو آدمی ماضی میں لوگوں کی جانوں سے کھیل چکا ہو، اُسے ڈر کس بات کا، اُسے پروا کس چیز کی! اتنے بے باک اور بے پروا ہونے کے باوجود اُنھوں نے مشرکینِ مکہ کے ظلم کو سہا اور اُن کی اذیتوں کو برداشت کیا۔ اگر وہ چاہتے تو دو چار کا خون کر کے پھر کہیں بھاگ کھڑے ہوتے، مگر اب یہاں دنیا بدل چکی تھی۔ اسلام نے اُن کے مزاج کا رُخ تبدیل کر دیا تھا۔ اب اُنھیں اپنی طبیعت اور اپنے نفس کے لئے نہیں، اسلام کے لئے جینا تھا۔ اسلامی ترقی کے لئے اور اسلامی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے۔ اگر اُنھوں نے دورِ جاہلیت کا مزاج برقرار رکھتے ہوئے فوری طور پر کوئی ردّ عمل (reaction) کیا ہوتا تو مکے کی سرزمین اُن کے لئے تنگ ہو جاتی اور وہ اسلامی تحریک سے کٹ کر رہ جاتے، لیکن اُنھوں نے صرف اسلامی تحریک کو قوت بخشنے اور آگے کی راہ ہموار کرنے کے لئے سب کچھ برداشت کر لیا۔

وہ اسلامی تحریک کے لئے بڑے پُر جوش تھے اور اُسے مضبوط کرنے کی فکر میں لگے

---

[۳۰] المعجم الکبیر:۲/۲۳۶(558)
المستدرک: کتاب معرفۃ الصحابۃ/مناقب المقداد بن عمرو الکِندی (5482)
الطبقات الکبریٰ:۳/۱۱۹
اسلام میں داخل ہونے کے بعد، جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی: ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَائِهِمْ﴾ یعنی لوگوں کو اُن کو باپ داداؤں کے نام سے پکارو تو اُنھیں ''مِقداد بن عمرو'' سے یاد کیا جانے لگا۔[الطبقات:۳/۱۱۹]

رہتے۔ چنانچہ جنگِ بدر (624ء) کے موقع پر جب مسلمان مشرکینِ مکہ سے لڑنے کے لئے گھبرا رہے تھے کہ ہم مٹھی بھر جماعت اِس بے سروسامانی کے عالم میں، قریش کے اتنے بڑے لشکر سے کیسے ٹکرا جائیں جو ہتھیاروں سے لیس اور زرہ میں ڈوبا ہوا ہے، یہ تو جیسے موت کے منہ میں ہاتھ ڈالنا ہے۔

ابھی یہ لوگ انکار ہی کر رہے تھے کہ حضرت مِقداد بن عَمرؓو اُٹھ کھڑے ہوئے اور بولنے لگے: یارسول اللہ! اللہ کا جو حکم ہے آپ اُسے کر گزریے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم آپ سے ویسی بات نہیں کہیں گے جیسی بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہی تھی کہ آپ اور آپ کا رب جا کر جنگ لڑے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ اور آپ کا رب جنگ لڑے، بے شک ہم بھی آپ دونوں کے ساتھ جنگ لڑنے والے ہوں گے۔ اُس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ ہمیں حبشہ کے شہر ''بَرَکُ الغماد'' تک لے چلیں تو ہم آپ کے ساتھ ساتھ اِس راہ میں روڑہ ڈالنے والوں کو تلوار سے ماریں گے تاکہ آپ وہاں تک پہنچ جائیں۔

اِس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں سراہا اور اُن کے لئے دعائے خیر کی۔[۳۱]

اُنھوں نے ہی سب سے پہلے ''اسلامی جہاد'' کے لئے گھوڑے کا استعمال کیا۔ ''جنگ بدر کے موقع پر جہاں سارے مسلمان پا پیادہ تھے، وہاں حضرت مقداد گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کرنے آئے تھے۔[۳۲] تاکہ پوری قوت کے ساتھ اسلام مخالف مہم کو پیچھے دھکیل کر اسلامی تحریک کو پُرسکون ماحول (peacefull condition) میں آگے بڑھایا جائے۔ غالباً اِسی لئے حضرت مقداد کو محبوبیت کا درجہ حاصل ہو چکا تھا، جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

---

[۳۱] جامع البیان: ۶/۱۸۴، ۱۸۵
سیرۃ ابن ھشام: ۲/۲۷۹
مسند الامام احمد: ۴/۸۹-۱۵۳ (12883، 13292)
بخاری: کتاب المغازی / باب قصۃ غزوۃ بدر (3952)
مسلم: کتاب الجہاد / باب غزوۃ بدر (1779)
[۳۲] الطبقات الکبریٰ: ۳/۱۲۰

ان اللّٰہ عزوجل یحب من اصحابی اربعۃ اخبرنی انہ یحبھم وامرنی ان احبھم ، قالوا من ھم یا رسول اللّٰہ!قال :ان علیا منھم وابوذرالغفاری وسلمان الفارسی والمقداد بن الاسود الکندی''۔

(بے شک اللہ تعالیٰ میرے چار اصحاب کو محبوب رکھتا ہے۔اُس نے مجھے بتایا کہ وہ اُن سے محبت رکھتا ہے اور اُس نے مجھے اُن سے محبت رکھنے کا حکم دیا۔صحابہ نے عرض کیا:وہ کون لوگ ہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا:بے شک علی اُن میں سے ہیں اور ابوذرغِفاری،سلمان فارسی اور مقداد بن اَسود ِکندی۔)[۳۳]

ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس محبت کا اظہار بھی فرمایا۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مقداد نے قریش کے ایک آدمی کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا،لیکن اُس نے اپنی بیٹی کا نکاح اُن کے ساتھ کرنے سے انکار کردیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:''**لکنی ازوجک ضباعۃ ابنۃ الزبیربن عبدالمطلب**''۔

لیکن میں تمھارا نکاح زُبیر بن عبدالمطلب کی بیٹی ضُباعۃ سے کرتا ہوں۔

واضح رہے کہ''ضُباعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا کی صاحبزادی تھیں۔

شاید اُس قریشی مرد نے حضرت مقداد کو اپنی حیثیت کا نہیں سمجھا،لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کی بیٹی سے نکاح کر کے(جو قریش کا سب سے اونچا خاندان تھا)جتادیا کہ حضرت مقداد چھوٹی حیثیت کے نہیں، بلکہ بڑی حیثیت کے مالک ہیں۔

ظاہر ہے جو انسان،اسلامی تحریک پر اپنی جان نچھاور کرے،وہ چھوٹی حیثیت کا کب ہوگا؟ وہ تو بڑی حیثیوں والا ہے۔

---

[۳۳]مسند الامام احمد:۶/۴۸۱(22459)

حلیۃ الاولیاء:۱/۱۷۲

سنن ابن ماجہ:المقدمۃ/باب فی فضائل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم(149)

[۳۴]الطبقات الکبریٰ:۳/۱۲۰

عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہ

(وفات: 37ھ/657ء)

حضرت عمّار کے والد یاسِر، یمن سے مکے آئے اور یہیں آکر بس گئے۔ اُنھوں نے سُمَیَّہ بنت خیّاط سے شادی کی، جن سے عمّار اور عبداللہ پیدا ہوئے۔ حُرَیث نام کا ایک بڑا بھائی بھی تھا، جو جاہلیت میں مارا گیا تھا۔

حضرت یاسِر کی یہ چھوٹی سی فیملی (family) شروع ہی میں مسلمان ہوگئی تھی۔ حضرت عمّار اور حضرت صُہَیب ایک ساتھ دارالارقم (islamic center) میں جا کر مسلمان ہوئے تھے، جبکہ مسلمانوں کی تعداد تیس سے کچھ زیادہ تھی۔

یہ فیملی اُن کمزور مسلمانوں میں سے ایک تھی جنھیں مکے میں ستایا جارہا تھا تاکہ وہ اپنے دین سے پھر جائیں۔[۳۵]

یوں تو مکے میں بہت سے مسلمان ستائے جارہے تھے، مگر کسی کی پوری فیملی مشرکینِ مکہ کے ظلم کا نشانہ نہیں بنی ہوئی تھی، یہ حضرت یاسِر ہی تھے جو اپنے بال بچوں سمیت دردناک اذیتیں برداشت کررہے تھے۔ ٹھیک دوپہر کے وقت، مکے کی تپتی ہوئی زمین پر، مشرکین مکہ اُنھیں لِٹا دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُدھر سے گزر رہے تھے، حضرت یاسِر سے رَہا نہ گیا، کراہ اٹھے کہ: کیا اِسی طرح ہم زندگی بھر جھیلتے رہیں گے؟

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں ڈَھارَس دیتے ہوئے کہا: اے اللہ! خاندانِ یاسِر کو بخش دے۔ اے خاندانِ یاسِر! صبر سے کام لو، تم سے جنت کا وعدہ ہے۔[۳۶]

---

[۳۵] الطبقات الکبریٰ: ۱۸۶/۳-۱۸۷

[۳۶] سیرۃ ابن ھشام: ۳۵٦/۱،
الطبقات الکبریٰ: ۱۸۸/۳،
مسند الامام احمد: ۱۰۰/۱ (441)
المستدرک: کتاب معرفۃ الصحابۃ/ذکر مناقب عمار بن یاسِر رضی اللہ عنہ (5666)
تاریخ المدینۃ المنورۃ: ۱۰۹۹/۳

حضرت یاسر کی اِس فیملی نے ''اسلامی تحریک'' کو زندہ رکھنے میں خاص رول ادا کیا ہے اُنھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اُن پر یہ ساری مصیبتیں صرف ''اسلام'' کی وجہ سے آئی ہیں، مگر اُنھیں یہ نہیں معلوم تھا کہ آئی ہوئی مصیبت کب کٹے گی؟ مصیبت اسلام کی وجہ سے ہے تو جب تک وہ مسلمان رہیں گے، تب تک اُن کی مصیبت باقی رہے گی؟ ظلم سہنے کی قیمت جنت تھی، مگر یہ تو آخرت کا معاملہ ہے۔ کیا پوری زندگی دُکھوں سے بھر جائے گی؟ یہ خیال ہی دلوں کو ہلا دینے والا تھا۔ حضرت یاسر اور اُن کی فیملی نے اپنی جان لگا دی، لیکن پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہ دیا اور'' اسلامی تحریک'' کے لئے آگے بڑھنے کا راستہ ہموار رکھا۔

حضرت یاسر کی فیملی میں حضرت عمّار نے دہشت گردوں کا اور بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

ایک مرتبہ حضرت عمّار بن یاسر صرف پاجامہ پہنے ہوئے تھے اور اُن کی پیٹھ ننگی تھی۔ اِس حالت میں ایک آدمی نے اُنھیں دیکھا کہ پوری پیٹھ سوجن کے نشانوں سے بھری ہوئی ہے۔ اُس نے پوچھا: یہ کیا؟

اُنھوں نے جواب دیا: قریش، مکے کی تپتی ہوئی زمین پر مجھے جو لِٹا دیا کرتے تھے اُسی کے یہ نشان ہیں۔[۳۷] اِس کے علاوہ، قریشیوں نے اُنھیں مارا بھی تھا کہ اُن کو ''فَتق'' کی بیماری ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے وہ پیشاب روک نہیں پاتے تھے۔[۳۸]

تقریباً دس سال تک حضرت یاسر کی فیملی دُکھ جھیلتی اور ظلم سہتی رہی۔ پھر 622ء میں ہجرت کا حکم ہوا تو دوسرے مسلمانوں کی طرح اِن لوگوں نے بھی شہر خالی کر دینے کا پلان بنالیا۔ مشرکینِ مکہ کو آہٹ ملی تو اُنھوں نے غریب، کمزور مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر مارنا شروع کر دیا۔ حضرت عمّار کی والدہ حضرت سُمَیّہ کو پکڑ کر اُن کے ہاتھ پاؤں میں چار کیلیں گاڑ دیں، پھر شرمگاہ میں نیزہ مار کر اُنھیں جان سے مار ڈالا۔[۳۹]

حضرت عمّار اپنی ماں کا یہ حال دیکھ کر سَہم گئے۔ مشرکین نے اُنھیں بھی پکڑا اور خوب مارا

---

[۳۷] الطبقات الکبریٰ: ۱۸۸/۳

[۳۸] تاریخ المدینۃ المنورۃ: ۱۱۰۰/۳

[۳۹] تفسیر ابن ابی حاتم: ۸۸/۶

پیٹا۔لگتا تھا کہ جان ہی سے مارڈالیں گے ۔وہ اُن پر زور ڈال رہے تھے کہ اپنے دین سے پھر جائیں،لیکن جب اُنھوں نے دیکھا کہ عمّار باز آنے والے نہیں تو بولے کہ اپنے پیغمبر کو برا بھلا کہو اور ہمارے معبودوں کی تعریف کرو تو ہم تمھیں جانے دیں۔حضرت عمّار نے اوپر اوپر صرف زبان سے اُن کی بات پوری کردی۔تب مشرکین نے اُن کا راستہ خالی کردیا اور وہ ہجرت کرکے مدینے آ گئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں دیکھتے ہی پوچھا: تمھارے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟

کہا: بہت برا ہوا، یارسول اللہ! اللہ کی قسم! جب تک کہ میں نے آپ کو برا بھلا نہ کہا اور اُن کے معبودوں کی تعریف نہ کی، تب تک اُنھوں نے مجھے چھوڑا ہی نہیں۔

آپ نے پوچھا: تمھارے دل کا حال کیا ہے؟

اُنھوں نے کہا: میرا دل تو ایمان پر مطمئن ہے۔اگر (دل مطمئن ہے تو) دوبارہ وہ زبان سے کہلوانا چاہیں تو کہہ لو۔اِس پر وحی آئی:

﴿اِنَّمَا يَفْتَرِیْ الْكِذْبَ الَّذِيْنَ لَايُؤْمِنُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَاُوْلٰئِکَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ . مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّامَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مَطْمَئِنٌ بِالْاِيْمَانِ﴾ (نحل:۱۰۶)

(جو لوگ اللہ کی نشانیوں پر ایمان نہیں رکھتے ،وہی جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور وہی جھوٹے ہیں۔ جو ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کرے سوائے اُن کے جنھیں مجبور کیا گیا ہو،جبکہ اُن کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔)[۴۰]

حضرت عمّار بن یاسر نے محض اپنی جان بچانے کے لئے تقیّہ سے اگر ایسا کیا ہوتا تو وہ خود کو مسلمان ظاہر ہی نہ کرتے اور دس سالہ مکی دور میں وہ برابر اِسی پالیسی (policy) پر سختی سے عمل کرتے۔

آخر کیا وجہ تھی کہ حضرت عمّار نے ہجرت کے موقع پر ہی یہ پالیسی اختیار کی؟ بات بالکل صاف ہے کہ ہجرت کے بعد، مدینے میں ''اسلامی تحریک'' کا ایک نیا دور شروع ہونے والا تھا۔ایسے

[۴۰] تفسیر عبدالرزاق: ۳۱۱/۱
تفسیر الطبری: ۱۸۲:۱۴/۸
تفسیر ابن ابی حاتم: ۸۹/۶
الطبقات الکبری: ۱۸۹/۳

موقع پر اُس تحریک کو پہلے سے زیادہ مضبوط کرنے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمّار محض اپنی بچانے کے لئے نہیں، بلکہ اسلامی تحریک کو پوری قوت کے ساتھ ایک نئے دور میں داخل کرنے کے لئے تقیّہ کررہے تھے۔ اُس موقع پر جان دینے کے بجائے جان بچالینا ہی اہم اور ضروری تھا۔ ایسے نازک حالات میں اُس پالیسی کو دُہرانے کی پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلی اجازت دے دی۔

حضرت عمّار گھبرا رہے تھے کہ اُنھوں نے فوری طور پر جو پالیسی اختیار کی ہے، وہ کہاں تک درست ہے! لیکن پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی اِس پالیسی کی نہ صرف یہ کہ تائید کی، بلکہ اُسے اُن کی شخصیت کی شناخت قرار دے دیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِبْنُ سُمَیَّةَ مَا عُرِضَ عَلَیْہِ اَمْرَانِ قَطُّ اِلَّا اِخْتَارَ الْاَرْشَدَ مِنْھُمَا"۔

(ابن سُمَیّہ (عمّار) پر جب کبھی دو معاملے پیش ہوئے تو اُس نے اُن میں سے زیادہ درست معاملے کو اختیار کیا۔)[۴۱]

حضرت عائشہ سے بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ماخُیّر عمار بین امرین الااختار ارشدھما"۔

(عمّار کو دو معاملوں کا اختیار دیا گیا تو اُس نے اُن میں سے زیادہ درست معاملے ہی کو اختیار کیا۔[۴۲]

چونکہ حضرت عمّار کی پالیسی ہمیشہ سے درست پالیسی رہی ہے، اِس لئے اب اُن کی شخصیت درست پالیسی والی حیثیت سے اوپر اٹھ کر رہنما شخصیت بن گئی۔ جیسا کہ حضرت حُذَیفہ

---

[۴۱] مسند الامام احمد: ۱/۶۴۳ (3685) ۲/۲۲ (4237)
سنن ابن ماجہ-المقدّمة: باب فی فضائل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم / باب فضل عمّار بن یاسر (148)
المستدرک: کتاب معرفة الصحابة / ذکر مناقب عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہ (5664)
الکتاب المصنّف: کتاب الفضائل / ماذکر فی عمّار بن یاسر (32236)
[۴۲] ترمذی: کتاب المناقب / مناقب عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہ (3799)
المستدرک: کتاب معرفة الصحابة / ذکر مناقب عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہ (5665)

رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

''انی لا ادری ماقدر بقائی فیکم فاقتدوا باللَّذین من بعدی واشارالی ابی بکر وعمر- واھدوا بھدی عمار''۔

(بے شک میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تمھارے درمیان رہوں گا، لھٰذا میرے بعد اُن دو کی پیروی کرنا جو میرے بعد ہوں گے۔ (یہ کہہ کر آپ نے ابوبکر اور عمر کی طرف اشارہ کیا۔) اور عمّار کے رویّے (idiology) سے رہنمائی حاصل کرنا۔[۴۳]

حضرت عمّار کا رویّہ، صحابہ پبلک (Sahabah public) کے لئے خطِّ رہبری (guid line) بن چکا تھا۔ اُس سے ٹکرانے کا مطلب تھا: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون سے بغاوت۔ اِس مطلب کی نشاندہی بھی آپ نے خود اپنی زندگی میں کردی تھی، چنانچہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت، جبکہ عام طور پر صحابہ ایک ایک اینٹ ڈھو رہے تھے، حضرت عمّار دو دو اینٹ ڈھو رہے تھے، اِس منظر کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت بھرے انداز میں اُن کے سر سے گرد جھاڑتے ہوئے کہا تھا:

''ویح عمار تقتلہ الفئة الباغية يدعوهم الى الجنة ويدعونهٔ الى النار''۔

(افسوس عمّار پر! جسے باغی گروہ قتل کرے گا۔ وہ اُسے جنت کی طرف لے چلے گا اور وہ گروہ اُسے جہنم کی طرف کھینچے گا۔)[۴۴]

حضرت عمّار کی پالیسی اتنی ٹھوس، اتنی کارآمد اور ایسی بروقت ہوتی تھی کہ اُس کی مخالفت صرف باغیانہ ذہن رکھنے والوں میں پیدا ہوسکتی ہے۔ پیغمبرِ نے اپنی زبان سے جس پالیسی کو مستند کردیا، یہ وہی پالیسی تھی، جو ہجرت کے وقت حضرت عمّار نے اختیار کی تھی۔ وہ جان بچانے کی پالیسی نہیں تھی، اسلامی تحریک کو مضبوط کرنے کی پالیسی تھی۔ اُن کی پالیسی، اُن کے ایمان پر

---

[۴۳] ترمذی: کتاب المناقب/مناقب عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہ (3799)
مسند الامام احمد: ۵۵۳/۶ (22877?) المعجم الکبیر: ۲/۹ ۷ (8426)

[۴۴] بخاری: کتاب الصلاۃ/باب التعاون فی بناء المسجد (447)

سوالیہ نشان (quetion mark) نہیں لگاتی، بلکہ ایمان کی اُس قوت کا مظاہرہ کرتی ہے جو اُن کے اُن کے اندر بھری ہوئی تھہ۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی اِسی امتیازی خصوصیت کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

''مُلِیٔ عَمَّارُ ایماناً اِلٰی مُشَاشِہٖ''۔
(عمّار کے پور پور میں ایمان بھرا ہوا ہے۔)[۴۵]

---

[۴۵] نسائی: کتاب شرائعہ رتفاضل اھل الایمان
سنن ابن ماجہ-المقدّمۃ: باب فی فضائل اصحاب رسول اللہ ﷺ رباب فضل عمّار بن یاسر (147)
الکتاب المصنّف: کتاب الفضائل رماذ کرفی عمّار بن یاسر (32234)

خبّاب بن الارتؓ رضی اللہ عنہ

(وفات: 37ھ/657ء)

حضرت خبّاب بن ارتؓ رضی اللہ عنہ، آزاد عربی نسل کے تھے۔ دورِ جاہلیت (dark age) میں کسی وجہ سے قید ہوکر مکے میں بیچ دیئے گئے تھے۔ اُنھیں اُمّ انمار نام کی ایک عورت نے خریدا تھا۔ اِس طرح وہ غلام بن گئے تھے اور وہ پیشے سے لوہار تھے۔[۴۶]

حضرت خبّاب بن ارتؓ، پرانے اسلام لانے والوں میں سے تھے اور اُن کمزور مسلمانوں میں سے تھے جنھیں مکے میں اذیت پہنچائی جارہی تھی، تاکہ وہ اپنے دین سے باز آجائیں۔[۴۷]

اسلامی تحریک کو آگے بڑھانے اور اُسے قوت بخشنے میں، حضرت خبّاب بن ارتؓ کا رول بے حد اہم رہا ہے۔ اُنھوں نے اسلام کی خاطر دردناک اذیتوں کو برداشت کیا اور ثابت قدم رہے۔ مشرکینِ مکہ کے ظلم وستم کی داستان میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی شخصیت ایک علامتی شخصیت بن چکی ہے، جو اِس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اُن پر سب سے زیادہ ظلم ہوا ہے، لیکن اِس معاملے میں حضرت خبّات بن ارتؓ کی شخصیت کا یہ پہلو کچھ اور نمایاں نظر آتا ہے۔

واقدی کے شاگرد ابن سعد (230ھ) نے ایک روایت نقل کی ہے کہ: ''ایک دن وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے تو اُنھوں نے اُن کو اپنی نشستگاہ پر بٹھایا اور دوسروں کو مخاطب کرکے کہا: روئے زمین پر اِس سے زیادہ کوئی اِس جگہ کا مستحق نہیں، سوائے ایک آدمی کے۔

حضرت خبّاب نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! وہ کون آدمی ہے؟

اُنھوں نے کہا: بلال۔

حضرت خبّاب نے کہا: وہ مجھ سے زیادہ حقدار نہیں ہوسکتے، کیونکہ مشرکین میں ایک آدمی تھا جس کے ذریعے اللہ، بلال کو بچالیتا تھا، لیکن میرا کوئی بچانے والا نہیں تھا۔ ایک دن میرے ساتھ ایسا ہوا کہ مشرکین نے آگ جلائی اور مجھے پکڑ کر اُس میں چت لٹادیا، پھر ایک شخص نے اپنا پاؤں میرے

---

[۴۶] الطبقات الکبریٰ: ۱۲۲/۳، اسد الغابہ: ۱۱۶/۲

[۴۷] الطبقات الکبریٰ: ۱۲۲/۳

سینے پر رکھ دیا۔ پھر اُنھوں نے اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی جو جلنے کی وجہ سے سفید نشانوں سے بھر چکی تھی۔[۴۸]

ابن الاثیر جزری (610ھ) نے بھی ایک روایت لکھی ہے کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خبّاب بڑی اُنسیت رکھتے تھے اور اُن کی خیریت معلوم کرنے اُن کے پاس آجاتے۔ ایک دن اُمِ انمار کو یہ خبر لگ گئی، تو وہ کیا کرتی کہ لوہے کی گرم گرم سلاخ لے کر اُن کے سر کو داغتی۔[۴۹]

یہ سب دل ہلا دینے والا منظر تھا۔ ایسے موڑ پر انسان ہمت ہار بیٹھتا ہے، لیکن حضرت خبّاب کے قدم نہیں ڈگمگائے۔ مشرک دہشت گر، اسلامی تحریک کو اپنی دہشت گردانہ کاروائیوں کا نشانہ بناتے رہے، لیکن حضرت خبّاب نے صبر وضبط سے کام لے کر اُن کے اِس گندے منصوبے (poorplane) کو ناکام (feel) بنا دیا۔ اگر دہشت گردوں کو کامیابی مل جاتی تو اسلامی تحریک خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ اسلامی تحریک کے رستے سے رکاوٹوں اور خطروں کو دور کرنے میں حضرت خبّاب کا یہ ایک اہم رول (importentrole) ہے۔

پھر بھی حضرت خبّاب تھے تو انسان ہی۔ اُن کے دل میں خیال گزرتا تھا کہ جس ''دین'' پر ہم مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں اور اُس کے تحفّظ (sefty) کے لئے جان جوکھوں میں ڈال رہے ہیں؛ اگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دعا کا ہاتھ اٹھا دیں تو اذیت بھری اِس زندگی سے ہمیں نجات (release) ملے! اِنہی خیالوں کے ساتھ، ایک دن وہ اللہ کے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ دیکھا کہ آپ کعبے کے سائے میں ایک چادر کا تکیہ سر کے نیچے رکھ کر آرام فرما رہے ہیں۔ اُنھوں نے آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ ہمارے لئے اللہ سے دعا نہ کریں گے؟ اتنا سننا تھا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ اٹھ بیٹھے، آپ نے کہا:

''لقد کان من قبلکم لیشمط بمشاط الحدید، مادون عظامه من لحم اوعَصَب، مایصرفه ذلک عن دینهٖ، ویوضع المیشارُ علی مفرق رأسهٖ فیشق باثنین، مایصرفه ذلک عن

---

[۴۸] الطبقات الکبریٰ: ۱۲۲/۳، ابن ماجہ کی روایت میں حضرت بلال کے بجائے حضرت عمّار کا ذکر آیا ہے۔ (المقدمہ: باب فی فضائل (153)

[۴۹] اسد الغابہ: ۱۱۶/۲

حضر موت مایخاف الا اللّٰہ‘‘۔

(یقیناً تم سے پہلے (اگلی امت میں) کچھ لوگ تھے جن کے گوشت اور پٹھوں کو لوہے کی کنگھی کر کے نوچ لیا جاتا تھا، پھر بھی یہ چیز اُنھیں اُن کے دین سے نہیں پھیرتی، کسی کے سر پر آرہ چلا دیا جاتا اور سر کو دو حصوں میں چیر دیا جاتا، پھر بھی یہ چیز اُنھیں اُن کے دین سے نہیں پھیرتی۔ اللہ ضرور اِس معاملے (اسلام) کو پورا (غالب) کرے گا، یہاں تک کہ سوار ’’صنعاء‘‘ سے ’’حضر موت‘‘ تک کا سفر کر کے آئے گا اور اُسے اللہ کے سوا کسی چیز کا خوف نہیں ہوگا۔[۵۰]

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظوں میں حضرت خبّاب کو جتا دیا کہ ہمیں دہشت گردی کے خلاف لڑتے رہنا ہے۔ اگر چہ ہمیں بھاری نقصان اٹھانا پڑے، گوارہ کرنا ہے اور صبر سے کام لینا ہے، کیونکہ دہشت گردی کے خلاف جب تک ہم اپنا ’’جہاد‘‘ جاری نہ رکھیں گے، دنیا میں امن وامان قائم نہیں ہوسکتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی تحریک کے ذریعے دور دور تک اَمن کا ماحول برپا کر دیا۔ اِس مبارک انقلاب میں کتنا اہم رول ہے حضرت خبّاب بن اَرَتْ کا۔

حضرت خبّاب کو صرف جسمانی اذیت ہی نہیں دی گئی، بلکہ اُنھیں ذہنی اذیت بھی پہنچائی گئی اور اُن کے عقیدے اور نظریے کا مذاق بھی اڑایا گیا، چونکہ وہ مکی دور میں ایک لوہار تھے، ایک مرتبہ عاص بن وائل سہمی نے اُن سے ایک تلوار بنوائی اور پیسہ اُدھار رکھا۔ ایک دن جب اُنھوں نے تقاضا کیا تو وہ کہنے لگا: پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (کی باتوں) کا انکار کرو۔

اُنھوں نے کہا: نہیں! یہاں تک کہ تم مروگے اور تمھیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ (تب وہاں فیصلہ ہوگا۔)

اُس نے حیرت سے کہا: کیا میں دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا؟ اُنھوں نے کہا: ہاں! اُس نے کہا: ٹھیک ہے، مجھے وہاں مال اور اولاد ملے گی، وہیں میں تمھارا قرض چکا دوں گا۔[۵۱]

چونکہ مسلمان یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ آخرت میں سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور وہاں

---

[۵۰] بخاری: کتاب مناقب الانصار، باب مالقی النبی ﷺ واصحابہ من المشرکین بمکۃ (3852)

[۵۱] بخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب اطلع الغیب ام اتخذ الرحمٰن عھداً (4733,4734)

سارے معاملات کا فیصلہ ہوگا۔اس لئے حضرت خبّاب نے کہا تھا کہ اگر تم یہاں میرے پیسے نہ دو گے تو آخرت میں تو حساب دینا ہی پڑے گا۔

عاص بن وائل سہمی جیسے دولتمند مشرکین اِس عقیدۂ آخرت کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اگر ہمیں دوبارہ زندگی ملی بھی تو ہم دنیا کی طرح وہاں بھی مالدار اور صاحب اولاد ہوں گے۔وہاں بھی ہمیں پیسوں کی کوئی کمی نہیں رہے گی۔اِس خام خیالی کی بنیاد پر عاص بن وائل نے حضرت خبّاب کے تقاضا کرنے پر کہا تھا کہ ہم تمھارا اُدھار وہاں چکا دیں گے۔مقصد تو حضرت خبّاب کے عقیدۂ آخرت کا مذاق اڑانا تھا اور اِس بہانے کمزور مسلمان کے پیسے اُس نے مار لئے۔

حضرت خبّاب نے اِس پھوہڑ مذاق کو گوارہ کیا اور اپنے عقیدے پر سختی کے ساتھ جمے رہے ،اگرچہ اِس راہ میں اُنھیں اذیتیں برداشت کرنی پڑیں۔

صُہَیب رُومی رضی اللہ عنہ

(پیدائش:589ء-وفات:38ھ659ء)

یہ آزاد عربی نسل کے آدمی تھے، جو مَوصِل میں آباد تھے۔ بچپن میں رومیوں نے اُن کے شہر پر حملہ کردیا اور وہ قید کر لئے گئے، پھر اُنھیں مکے میں لاکر بیچ دیا گیا۔ عبداللہ بن جُدعان نے اُنھیں خریدا اور بعد میں کردیا۔ آزادی (freedom) کے بعد وہ مکے ہی میں عبد اللہ بن جُدعان کے ساتھ ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت کیا۔ وہ اُس وقت اسلام میں داخل ہوئے جبکہ تیس سے زیادہ لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔

حضرت صُہَیب رومی اُن کمزور مسلمانوں میں سے تھے، جنھیں مکے میں اللہ کی راہ میں ستایا جا رہا تھے۔[۵۲]

آخر کار مشرکینِ مکہ کی حرکتوں سے تنگ آکر اُنھوں نے ہجرت کا پلان (plan of migrate) بنایا اور پھر مدینے کی طرف نکل پڑے، لیکن راستے میں کچھ قریشیوں نے اُن کا پیچھا کیا اور اُنھیں گھیر کر کہا: تم ہمارے شہر میں حقیر فقیر بن کر آئے تھے پھر یہاں خوب دولت کمائی اور اپنی ایک حیثیت بنالی اور اب اپنی دولت لئے دیئے یہاں سے چلے جا رہے ہو؟ اللہ کی قسم! ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔

اُن کی باتیں سن کر حضرت صُہَیب اپنی سواری سے نیچے اترے اور اپنے تَرکش کے تمام تیر نکال کر بولے: اے قریشیو! تمھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں ایک ماہر تیر انداز ہوں۔ اللہ کی قسم تم لوگ مجھے اُس وقت تک ہاتھ نہیں لگا پاؤ گے جب تک کہ میں اپنے تَرکش کے تمام تیر تم پر نہ پھینک لوں، پھر تمھیں اپنی تلوار سے نہ مارلوں، یہاں تک کہ میرا ہاتھ خالی ہوجائے، پھر جو جی چاہے کرو، اگر چاہو تو میں تمھیں اپنی دولت کا پتہ بتلا دوں اور جو کچھ میرے پاس ہے اُسے لے لو، لیکن میرا راستہ چھوڑ دو!

اُنھوں نے کہا کہ: ٹھیک ہے۔

---

[۵۲] الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۱۷۰-۱۷۱

چنانچہ حضرت صُہَیب نے اپنی دولت اور جائداد اُن کے حوالے کردی اور مدینے کی طرف چل پڑے۔ اُدھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی ہے:

﴿وَ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُ وْفٌ بِالْعِبَادِ. ﴾ (بقرہ:۲۰۷)

(اور جو بیچتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور اللہ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔)

جب حضرت صُہَیب رومی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا:

رَبِحَ الْبُیُعُ اَبَایَحْیٰ، رَبِحَ الْبُیْعُ اَبَایَحْیٰ

(تجارت سے ابو یحیٰ کو منافع حاصل ہوا، تجارت سے ابو یحیٰ کو منافع حاصل ہوا۔)

پھر آپ نے وہ آیت بھی پڑھ کر سنائی۔[۵۳]

ہجرت کی بنیاد (base of migrate) یہ نہیں تھی کہ مکے میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا تھا تو اُس ظلم سے بچنے کے لئے اپنا شہر چھوڑ چھوڑ کر لوگ مدینے پہنچ جائیں، بلکہ ہجرت کا واقعہ اِس لئے پیش آیا تھا کہ اسلام کا تحفظ ہو، عقیدۂ توحید کی اشاعت ہو اور ایک اللہ کی عبادت کے لئے کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ جہاں تک ظلم سے بچنے کا معاملہ تھا تو اُس کا سب سے آسان راستہ یہ تھا کہ مسلمان ہاتھ پاؤں سمیٹ کر بیٹھ جاتے، نہ کچھ بولتے اور نہ کچھ کرتے۔ مکمل خاموشی اختیار کر لیتے، لیکن خاموشی سے اسلامی تحریک کو کامیابی ملنے والی نہیں تھی۔ لامحالہ مسلمانوں کو کھلنا پڑا اور ''اسلام'' کی خاطر بولنا پڑا۔

خاموش رہنے میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد پورا نہیں ہو پا رہا تھا اور بولنے میں دنیا بھر کی مصیبتوں کا سامنا تھا۔ اگر مسلمان یوں ہی ظلم سہتے رہتے تو دو میں سے ایک حادثہ ضرور ہو جاتا۔ یا تو مسلمان اپنی برداشت کی قوت کھو بیٹھتے اور ''اسلام'' سے پھر جاتے یا ظلم کی مار برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے سب اپنی جان ہی گنوا بیٹھتے۔ دونوں ہی صورتوں میں ''اسلامی تحریک'' کو زبردست نقصان پہنچتا اور پھر کوئی ''اسلام'' کا نام لیوا نہ رہ جاتا۔

---

[۵۳] تفسیر الطبری: ۳۲۱/۲
الطبقات الکبریٰ: ۱۷۱/۳
تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۲۵/۱
تفسیر ابن کثیر: ۳۸۷/۱

اِن حالات واسباب کو دیکھتے ہوئے 622ء میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا ہوا۔ جو مسلمان ہجرت کر کے مدینے جا رہا تھا، اصل میں وہ اسلامی تحریک کو بچانے اور اُسے دور تک پھیلانے کی فکر میں تھا۔

اِس پس منظر میں حضرت صُہَیب رومی رضی اللہ عنہ کا اصل کردار بہت زیادہ نکھر کر سامنے آتا ہے۔ ایسا کم ہوا ہے کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ساتھی، اسلام کی عزت رکھنے کے لئے، اپنی ساری جائداد، ساری دولت لٹادے اور اسلامی تحریک کو مضبوط کرنے کے لئے باضابطہ سودا کرے۔ حضرت صُہَیب رومی کی ہجرت کی قیمت یہ تھی کہ وہ مکے سے خالی ہاتھ جائیں۔ اُنھوں نے بڑے اطمینان سے یہ قیمت ادا کری اور مدینے کی طرف چل پڑے۔ اُن کے پاس صرف آدھا کلو (500gm) آٹا تھا، جسے اُنھوں نے مقامِ اَبَو اء میں رُک کر استعمال کیا تھا۔[۵۴]

مدینے کا سفر تھکا دینے والا سفر تھا، مگر وہ برابر چلتے رہے، آنکھ دکھنے کو آئی تھی اور وہ بھوک سے نڈھال ہوئے جا رہے تھے۔ مدینے کے راستے میں قُبا نام کی ایک بستی پڑتی تھی، اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہیں تشریف رکھتے تھے، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی تھے، اتفاق سے جس وقت حضرت صُہیب رومی یہاں پہنچے، اُن حضرات کے سامنے تازہ کھجوریں رکھی ہوئی تھیں۔ حضرت صُہیب آتے ہی کھجوروں پر ٹوٹ پڑے۔[۵۵]

بظاہر حضرت صُہیب رومی کا برا حال ہو چکا تھا، قریشی غنڈوں نے اُنھیں لوٹ لیا تھا اور اُن کی جائداد کے مالک بن بیٹھے تھے، لیکن اُن کے دل میں کسی بات کا غم نہیں تھا۔ اُنھوں نے اسلامی تحریک کو قوت بخشنے کے لئے سب کچھ برداشت کرلیا۔ یہ گھاٹے کا سودا نہیں، اِس سے اُنھیں بھی خوب منافع حاصل ہوا اور اسلامی تحریک کو بھی۔ اِسی لئے پیغمبر اسلام نے اُن کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا تھا: تجارت نے ابویحیٰ کو منافع پہنچایا۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جن کے کسی خاص کردار کو وحی کے ذریعے مخصوص انداز میں سراہا گیا ہو۔

حضرت صُہیب رومی کے یہ دو کردار: (دہشت گردوں کا مقابلہ کرنا اور اسلامی تحریک کو طاقت پہنچانا) اتنے اہم اور عظیم تھے کہ قرآن کے اندر اُنھیں جگہ دی گئی۔

---

[۵۴] الطبقات الکبریٰ: ۳/۱۷۱

[۵۵] ایضاً

حضرت عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ

(وفات:4ھ)

حضرت عامر بن فُہیرہ ،غلامی کی زندگی بسر کررہے تھے۔وہ طفیل بن عبداللہ کے غلام تھے۔جب اسلام کا سورج چمکا تو وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوگئے ،لیکن مشرکین مکہ نے اپنی دہشت گردانہ طبیعت کے مطابق اُنھیں بھی اپنے ظلم کا نشانہ بنایا۔ ستایا اور اذیتیں دیں تاکہ وہ ''اسلام'' سے پھِر جائیں۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بے پناہ مروّتوں اور دینی ہمدردیوں کے باعث اُنھیں دہشت گردوں کے ہاتھوں سے چھڑا کر آزاد کردیا۔[۵۶]

جب اسلامی تحریک اپنے ابتدائی مرحلے (starting stage) میں تھی تو عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ غلامی حالت میں تھے۔وہ اِسی حالت میں رہ کر اسلامی تحریک کو قوت پہنچارہے تھے اور اپنی جان نچھاور کررہے تھے۔

پھر جب اسلامی تحریک دوسرے مرحلے (second stage) میں تھی اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ،اپنے سب سے قریبی ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینے کی طرف ہجرت فرمارہے تھے اور اُدھر مشرکین مکہ قتل کے ارادے سے آپ کا پیچھا کررہے تھے؛ اُس درمیان آپ غارِثور میں (مکے سے تقریباً: 12.96 کلومیٹر کی دوری پر) پناہ لے رہے تھے۔یہ بڑی نازک حالت تھی۔پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کو خطرہ تھا۔اِس حالت میں جو آپ کے ساتھ پکڑا جاتا وہ بھی مشرکین کے ہتّھے چڑھ جاتا۔اگر یہاں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکر کے سر پر خطرہ منڈلا رہا تھا تو دوسری طرف عامر بن فُہیرہ کے کان میں بھی خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی ،کیونکہ وہ حضرت ابوبکر کی بکریاں چراتے ہوئے غار کی طرف بڑھتے جب رات کا کچھ حصہ گزرجاتا تو وہ اُن دونوں حضرات کے قریب بکریاں لے کر آتے، وہ دونوں اُن بکریوں کا تازہ دودھ پی کر سوجاتے۔پھر عامر بن فُہیرہ اندھیرے منہ اٹھ کر اُن بکریوں کو مکے کی طرف ہانک کر لے جاتے

---

[۵۶]الطبقات الکبریٰ:۳:۱۷۳
المعجم الکبیر:۱:۳۳۷(1008)

اور صبح تڑکے چرواہوں سے جا کر مل جاتے جس سے کوئی اُن پر شک نہیں کر پاتا۔ تین راتوں تک اُنھوں نے مستقل یہ خدمت انجام دی۔[۵۷]

تین دنوں تک، حضرت عامر بن فُہیرہ جان جوکھم میں ڈال کر اُس تحریک کو پُرسکون طریقے سے مدینے پہنچانے کی کوششیں کرتے رہے تھے، جو تحریک پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے کردار میں چھپی ہوئی تھی۔ اگر یہ دونوں جانیں محفوظ طریقے سے مدینے پہنچ جاتی ہیں تو اسلامی تحریک کا ایک انقلابی دور شروع ہو جاتا ہے۔

آخرکار وہ اور حضرت ابوبکر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باحفاظت مدینے آ گئے۔[۵۸]

اِس طرح اسلامی تحریک کے دونوں دور (ابتدائی اور انقلابی دور) میں اُنھوں نے بڑا تعاون پیش کیا۔ پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ اُنھوں نے اُسی تحریک کی خاطر اپنی جان دے دی۔

چنانچہ ایک مرتبہ رِعل، ذَکوان، عُصیۃ اور بنولحیان قبیلے کے لوگ مسلمانوں کا بھیس بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ دشمنوں کے مقابلے میں آپ ہماری مدد کریں۔ (یعنی ایسے لوگوں کو ہمارے ساتھ کر دیں جو ہمیں قرآن و سنت کی تعلیم دیں اور دعوتی کام میں ہمارا ساتھ دیں۔)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستّر انصار کو اُن کے ساتھ کر دیا جنھیں اُس زمانے میں قُرّاء کہا جاتا تھا جو دن میں لکڑیاں چُنتے تھے اور رات میں نماز پڑھتے تھے۔ لیکن جب ''بئرِ مَعُونہ'' کے مقام پر پہنچے تو اُن جھوٹے مسلمانوں نے انصاری قاریوں کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ اُنہی میں عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جو شہید کر دیئے گئے تھے۔[۹۵]

اُن تمام شہید ہونے والوں میں عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ کی شان سب سے الگ رہی۔ اُنھوں نے اسلامی تحریک کو آگے بڑھانے میں خاص رول ادا کیا تھا، اِس لئے اللہ تعالیٰ نے

---

[۵۷] بخاری: کتاب مناقب الانصار/ باب ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (3905)
بخاری: کتاب المغازی/ باب غزوہ الرجیع و رِعل و ذکوان و بئر معونۃ (4093)
[۵۸] بخاری: کتاب المغازی/ باب غزوہ الرجیع و رِعل و ذکوان و بئر معونۃ (4093)
[۹۵] بخاری: کتاب المغازی/ باب غزوہ الرجیع و رِعل و ذکوان و بئر معونۃ (4093، 4090)

بھی اُن پر خاص فضل فرمایا، چنانچہ جب وہ شہید ہوگئے اور ابھی اُن کی لاش زمین پر پڑی تھی کہ عامر بن طفیل نام کے ایک کافر نے اُس لاش کی طرف اشارہ کرکے عمرو بن اُمیّہ ضمری رضی اللہ عنہ سے پوچھا: (جو اُس وقت دشمن کی قید میں تھے۔) یہ کس کی لاش ہے؟

عمرو بن اُمیّہ نے جواب دیا: عامر بن فُہیرہ کی۔

عامر بن طفیل نے کہا: میں نے اُس لاش کو دیکھا کہ قتل کے بعد اُسے آسمان کی جانب اٹھایا گیا، یہاں تک میں اُس کے اور زمین کے بیچ آسمان کو تکتا رہ گیا، پھر (کچھ دیر کے بعد) اُسے زمین پر رکھ دیا گیا۔[٦٠]

غالباً اُن کی لاش کو فرشتوں نے یہ اعزاز دیا تھا کہ اُسے عام مشرکوں کی نگاہوں سے چھپا لیا گیا تا کہ اُن پر عامر بن فُہیرہ کا رُعب چھا جائے۔

اُس دن عامر بن فُہیرہ کو جبّار بن سُلمٰی نے نیزہ نے مارا تھا جو اُنھیں چھیدتا ہوا نکل گیا۔ جب اُنھیں نیزہ لگا تو اُنھوں نے کہا تھا: ''فُزْتُ وَاللّٰہِ'' (اللہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا) پھر اُن کا بدن آسمان کی طرف اُٹھنے لگا، یہاں تک کہ جبّار بن سُلمٰی کی آنکھوں سے اوجھل گیا۔ اس خبر کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: فرشتے اُن کی لاش چھپا کر ''عِلّیین'' میں لے گئے۔

جبّار بن سُلمٰی نے صحابہ سے پوچھا کہ عامر بن فُہیرہ نے جو یہ کہا کہ ''میں اللہ کی قسم کامیاب ہوگیا''، اِس کا کیا مطلب؟ لوگوں نے بتایا: اُس کا مطلب ہے، ''جنت مل گئی''۔

عامر بن فُہیرہ کی اِس شان کو دیکھ کر جبّار بن سُلمٰی مسلمان ہوگیا۔[٦١]

عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ اِس شان سے اِس دنیا سے گئے کہ اسلامی تحریک پر لوگوں کا اعتماد کچھ اور بڑھ گیا۔ دنیا سے پردہ کرنے کے بعد بھی اُنھوں نے اسلامی تحریک کو ایک قدم اور آگے بڑھا دیا۔

ایک کمزور غلام جب پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی تحریک سے جُڑ گیا تو اُس کا احترام فرشتوں کے دلوں میں بھی پیدا ہوگیا۔

---

[٦٠] بخاری: کتاب المغازی/ باب غزوہ الرجیع ورِعل وذکوان وبئر معونۃ (4093) حلیۃ الاولیاء: ١/١١٠

[٦١] الطبقات الکبریٰ: ٣/٤/١٧٤

کچھ اور مظلوم مسلمان

ابوفُکَیہَہ رضی اللہ عنہ

اِنہی مظلوم مسلمانوں میں سے ایک ابوفُکَیہَہ بھی تھے۔ یہ بنو عبدالدار کے غلام تھے۔ جب یہ مسلمان ہوئے تو اِنھیں بھی اِس بات پر سزا دی جانے لگی کہ یہ اپنے دین سے پھر جائیں، لیکن یہ ہر بار انکار کر دیتے۔ بنو عبدالدار، ابوفُکَیہہ کو سخت گرمی کے زمانے میں، ٹھیک دو پہر کے وقت، لوہے کی بیڑی ڈال کر، ننگے بدن لاتے اور گرم گرم ریت پر منہ کے بل لٹا دیتے، پھر چٹان لا کر اُن کی پیٹھ پر رکھ دیتے، یہاں تک کہ وہ بیہوش ہو جاتے۔ مسلسل کئی سال تک یہ عذاب وہ جھیلتے رہے، پھر جب مسلمان ہجرت (migrate) کر کے ''حبشہ'' جانے لگے تو دوسری ہجرت کے موقع پر وہ بھی مہاجرین (migraters) کے ساتھ مُلکِ حبشہ آ گئے۔ [۶۲]

مشرکینِ مکہ کتنے بڑے دہشت گرد (terrorist) نکلے۔ مذہب کے نام پر اتنی بڑی دہشت گردی، بغیر کسی جنگی حالات کے، شاید ہی تاریخ میں کہیں ملے۔ یہ مسلمان تھا کہ عذاب کی بھٹی میں تَپ کر اُن کا ایمان کُندَن کی طرح کھرا نکلا۔

یہ معاملہ صرف مردوں کے ساتھ نہیں تھا، بلکہ مسلمان عورتیں بھی اُن کی دہشت گردی کا شکار ہو رہی تھیں۔

زِنّیرہ رضی اللہ عنہا

زِنّیرہ، ایک مسلمان عورت تھیں۔ وہ باندی تھیں۔ اُنھیں بھی مسلمان ہونے کے جرم میں ستایا جا رہا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُنھیں خرید کر آزاد کر دیا۔ اتفاق سے اُسی کے بعد اُن کی آنکھ کی روشنی چلی گئی۔ اِس پر قریش کہنے لگے: اُس کی روشنی تو (ہمارے معبود) لات و عزّٰی نے ہی چھینی ہے۔

زِنّیرہ نے سنا تو کہا: کعبے کی قسم! لات و عزّٰی نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔

چنانچہ اللہ نے زِنّیرہ کی آنکھ کی روشنی لوٹا دی۔

حضرت زِنّیرہ کا ایمان اِس قدر پختہ تھا کہ اتنی بڑی مصیبت میں بھی اُن کا قدم ڈگمگایا

---

[۶۲] الطبقات الکبریٰ: ۴/۹۲

نہیں۔اللہ پر اِس گہرے اعتماد کی برکت سے اُن کی آنکھ لوٹ آئی۔

اُن کا یہ ایمانی وروحانی معاملہ،پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی مشن میں آڑے آنے والی اعتقادی کمزوری اور توہّم پرستی کے اندیشوں کو دور کررہا تھا اور اسلامی تحریک کے راستوں کو اِس طرح کے کیل کانٹوں سے پاک کرکے اُسے آگے بڑھنے میں مدد دے رہا تھا۔

نَہدِیّہ رضی اللہ عنہا

بنوعبدالدار کی دوماں بیٹی تھیں۔ماں کا نام تھا،نَہدِیّہ۔نَہدِیّہ اور اُن کی بیٹی مسلمان ہوگئی تھیں۔یہ دونوں ماں بیٹی ایک عورت کی باندی تھیں۔اُس نے قسم کھا رکھی تھی کہ میں اِن دونوں کو کبھی آزاد نہیں کروں گی۔مسلمان ہونے کے بعد اُن کے ذہن وفکر میں تبدیلی آگئی تھی،جس کو لے کر وہ مشرک عورت بہت پریشان تھی۔مسلمان ہونے کی وجہ سے اُن دونوں کو ستایا جارہا تھا۔آخر کار حضرت ابوبکر نے اُن دونوں کو خرید کر آزاد کردیا۔

ایک مسلمان باندی

یونہی بنوعدی قبیلے کی ایک باندی مسلمان تھی۔حضرت عمر اِسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔مسلمان ہونے سے پہلے وہ اُس باندی کی خوب پٹائی کرتے تھے کہ وہ ''اسلام'' چھوڑ دے۔عمر بن خَطّاب جب مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے:یہ مت سمجھنا کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے،بس اِک ذرا سُستا لوں۔

وہ مسلمان باندی کہتی:اللہ تمھارے ساتھ بھی یہی معاملہ فرمائے گا۔بعد میں حضرت ابوبکر نے اُسے خرید کر آزاد کردیا۔[٦٣]

دہشت گردوں کے معاشرے میں رہ کر،عمر بن خَطّاب بھی دہشت گردانہ رویّہ اختیار کئے ہوئے تھے۔بنوعدی کی اُس مسلمان عورت نے ظلم سہہ سہہ کر اپنے ایمان کی حفاظت کی اور عمر بن خَطّاب کو یہ احساس دلا دیا تھا کہ اُن کا ظلم اسلامی تحریک کو آگے بڑھنے سے روک نہیں سکتا۔وہ اِس کام کے لئے اپنی جان بھی دے سکتی ہیں۔ہوسکتا ہے،یہ احساس بھی عمر بن خَطّاب کو کانٹے کی طرح چبھتا رہا ہو اور وہ سنجیدہ ہوکر اسلام کے بارے میں سوچنے لگے ہوں۔جس اسلامی تحریک کا زور

[٦٣] سیرۃ ابن ہشام:١/٣٥٥،٣٥٦

توڑنے کے لئے وہ محنت کررہے تھے، ایک دن وہ آیا کہ وہ خود ہی مسلمان ہوکر اسلامی تحریک کے لئے دوڑ دھوپ کرنے لگے۔

بنوعدی کی اُس مسلمان عورت کے کہنے کے مطابق، اللہ تعالیٰ نے عمر بن خطّاب کے دل میں بھی اسلام کی وہی محبت پیدا کردی، جس محبت کی بنیاد پر وہ اُس مسلمان عورت کو مارتے رہے تھے۔

سُمَیّہ رضی اللہ عنہا

دہشت گردوں کا شکار ہونے والی عورتوں میں حضرت عمّار کی والدہ حضرت سُمَیّہ کا نام سرِ فہرست (head list) رکھا جائے گا۔

دہشت گردوں کا سب سے بڑا لیڈر ابوجہل، حضرت سُمَیّہ کو بہت ستاتا تھا۔ ایک دن شام کے وقت وہ آیا اور اُنھیں گالیاں بکنے لگا اور بیہودہ باتیں کرنے لگا۔ پھر اُس نے نیزہ (spear) نکال کر اُن کی شرمگاہ پر چلادیا۔ وہ درد سے تڑپ اُٹھیں اور شہید ہوگئیں۔

اسلامی تحریک پر جان دینے والی سب سے پہلی شہید خاتون حضرت سُمَیّہ تھیں۔[۶۴]

اسلامی تحریک کے خلاف، دہشت گردی کی جو تاریخ 613ء سے شروع ہوئی، وہ آج تک مختلف طریقوں سے مختلف ملکوں میں برابر چل رہی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اسلامی تحریک جو ایک امن پسند تحریک تھی، اُسی کو دہشت گردانہ تحریک قرار دے کر زمانے بھر میں رسوا کر دیا گیا۔

تمّت

[۶۴] الطبقات الکبریٰ: ۱۷۶/۳
تاریخ الیعقوبی: ۲۸/۲

مآخذ ومراجع

۱۔الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان علاء الدین علی بن بلبان الفارسی (۷۳۹ھ)
دارالفکر، بیروت، لبنان

۲۔اسبابُ نزول القرآن علی بن احمد الواحدی (۴۶۸ھ)
دارُالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

۳۔الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبَر النَمر ی القرطبی المالکی (۴۶۳ھ)
دارالجیل، بیروت، لبنان

۴۔اُسدالغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ علی بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری (۶۱۰ھ)
دارالاحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

۵۔البدایۃ والنہایۃ اسماعیل بن کثیر الدمشقی (۷۷۴ھ)
دارالاحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

۵۔تاریخ الاسلام محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (۷۴۸ھ)
دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان

۶۔تاریخ المدینۃ المنورۃ ابوزید عمر بن شبّہ النمیر ی البصر ی (۲۶۲ھ)
دارالتراث، بیروت، لبنان

۷۔تاریخ الیعقوبی احمد بن ابی یعقوب المعروف بابن واضح الاخباری (بعد ۲۹۲ھ)
دارُالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

۸۔تفسیر ابن ابی حاتم عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد بن ادریس التمیمی الرازی (۳۲۷ھ)
دارُالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

۹۔تفسیر عبدالرزاق عبدالرزاق بن ھمام الصَنعانی (۲۱۱ھ)
دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان

۱۰۔تفسیر الطبری — ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (۲۱۰ھ)
دارالفکر، بیروت، لبنان

۱۱۔جامع الترمذی — ابوعیسیٰ محمد بن عیسی بن سوَرۃ الترمذی (۲۷۹ھ)
دارُالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

۱۲۔حلیۃ الاولیاء — ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی (۴۳۰ھ)
دارُالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

۱۳۔دلائل النبوۃ — ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی (۴۵۸ھ)
دارُالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

۱۴۔سنن ابن ماجہ — ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی (۲۷۵ھ)
داراحیاءالتراث العربی، بیروت، لبنان

۱۵۔سنن النسائی — ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائی (۳۰۳ھ)
داراحیاءالتراث العربی، بیروت، لبنان

۱۶۔سیرۃ ابن ہشام — ابومحمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب الحمیری (۲۱۸ھ)
داراحیاءالتراث العربی، بیروت، لبنان

۱۷۔سیرۃ ابن کثیر — ابوالفداء اسماعیل بن کثیر الدمشقی (۷۷۴ھ)
داراحیاءالتراث العربی، بیروت، لبنان

۱۸۔صحیح البخاری — ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (۲۵۶ھ)
داراحیاءالتراث العربی، بیروت، لبنان

۱۹۔صحیح مسلم — ابوالحسین مسلم بن حجّاج قشیری نیساپوری (۲۶۱ھ)
داراحیاءالتراث العربی، بیروت، لبنان

۲۰۔الطبقات الکبریٰ — ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع البصری الهاشمی (۲۳۰ھ)
دارلکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

۲۱۔الکتاب المصنف	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبۃ الکوفی العَبَسی (۲۳۵ھ)
	دارلکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان
۲۲۔لُباب النقول	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطی (۹۱۱ھ)
	مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر
۲۳۔المستدرک	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری (۴۰۵ھ)
	دارلکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان
۲۴۔مسندالامام احمد	ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی (۲۴۱ھ)
	داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان
۲۵۔المعجم الکبیر	ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (۳۶۰ھ)
	داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان